مجموعہ نظم حالی

[illegible] حالی [illegible] کی لکھی
ہوئی چودہ مندرجہ ذیل نظمیں جمع کی ہیں

برکھارت ۔ نشاط امید ۔ حب وطن ۔ مناظرہ رحم و انصاف ۔
[illegible]ش ۔ خدمت ۔ مدرسۃ العلوم مسلمانان ۔ تعصب و انصاف ۔
کلمۃ الحق ۔ مناظرہ واعظ و شاعر ۔ جشن جوبلی ۔ چھوٹ
اور ایکے کا مناظرہ ۔ تعلیم مسلمانان ۔ جوانمردی کا کام

دربار قیصری
۱۸۹۰ع

مطبع مصطفوی دہلی میں حافظ عزیز الدین کے اہتمام سے چھپا

قیمت [illegible] حصہ اول ۱۲ [illegible] حصہ دوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً
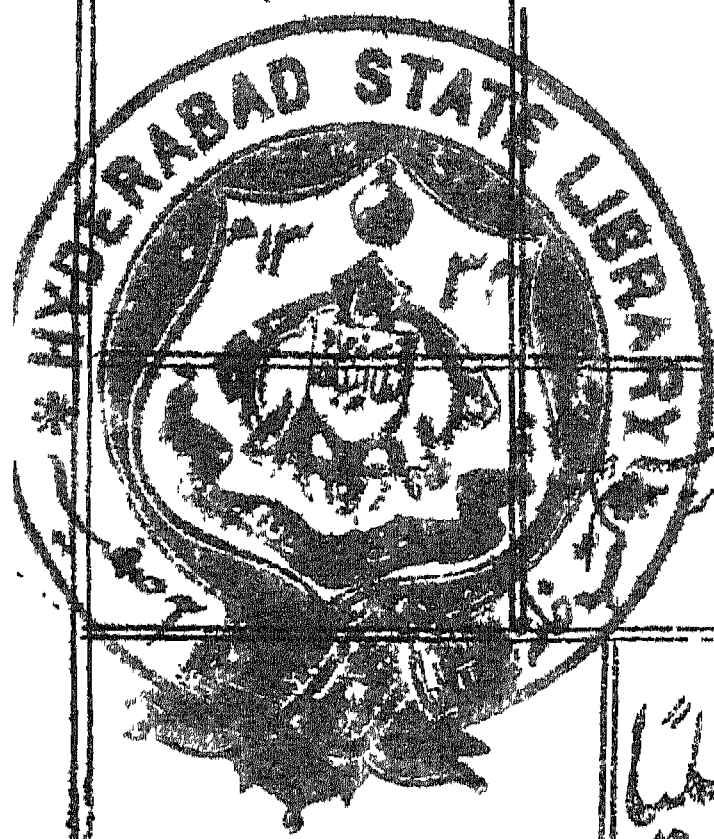
۱۸۷۴ء میں جب راقم پنجاب گورنمنٹ بک ڈپو سے متعلق اور لاہور میں مقیم تھا مولوی محمد حسین آزاد کی تحریک اور کرنل ہالرائڈ ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم پنجاب کی تائید سے انجمن پنجاب نے ایک مشاعرہ قائم کیا تھا جو ہر مہینے میں ایک بار انجمن کے مکان میں منعقد ہوتا تھا اِس مشاعرہ کا مقصد یہ تھا کہ ایشیائی شاعری جو کہ دُرِّ و لِسبت عشق اور مبالغہ کی جاگیر ہو گئی ہے اُس کو جہاں تک ممکن ہو وسعت دی جائے اور اُس کی بنیاد حقائق و واقعات پر رکھی جائے۔ یہ تحریک اگر پندرہ برس پہلے کیجاتی تو شاید اس پر کوئی ثمرہ مترتب نہ ہوتا کیونکہ جو لوگ ہندوستان میں اُردو نظم پر تھوڑی یا بہت قدرت رکھتے تھے وہ عشقیہ مضامین کی ممارست سے شاعری کو عاشقی کا مرادف جانتے تھے اور مبالغہ کو شعر کے ذاتیات میں داخل سمجھتے تھے۔ وہ واقعہ نگاری اور تصویر حقائق کو منصب شاعری کے خلاف تصور کرتے تھے۔ اُنھوں نے مغربی انشا پردازی

کا کوئی نمونہ بھی اپنی زبان میں نہیں دیکھا تھا جس پر وہ اپنی شاعری کی بنیاد رکھنے کے
قابل ہوتے۔ لیکن یہ تحریک خوش قسمتی سے ایسے وقت ہوئی جب کہ اُردو زبان
میں مغربی خیالات کی روح پھونکی جا رہی تھی۔ لٹریچر میں بہت سی کتابیں اور مضامین
انگریزی سے اُردو میں ترجمہ ہو گئے تھے اور ہوتے جاتے تھے۔ دیسی اخباروں
میں بھی جنمیں سے سینٹیفک سوسائٹی علیگڈھ کا اخبار خصوصیت کے ساتھ ذکر کے
قابل ہے اکثر انگریزی آرٹکلوں کے ترجمے ہونے لگے تھے۔ اِن اسباب سے مغربی طرز
تحریر اور مغربی طرز بیان آہستہ آہستہ لوگوں کے دلوں میں گھر کرتی جاتی
تھی۔ یہانتک کہ ۱۸۷۰ء میں سر سید احمد خاں نے پرچہ تہذیب الاخلاق جاری
کیا جسکے سبب سے مسلمانوں کے خیالات میں جو لٹریچر کا صحیح مذاق رکھتے تھے بہت جلد
ایک انقلابِ عظیم پیدا ہو گیا۔ اردو فارسی انشا پردازی کا قدیم طریقہ اُن کی
نظر میں نہایت سخیف اور رکیک معلوم ہونے لگا اور اپنی شاعری کو وہ حقارت
کی نگاہ سے دیکھنے لگے۔ اگرچہ مغربی شاعری کا کوئی عمدہ نمونہ اُس وقت اردو
زبان میں موجود نہ تھا اور نہ اب تک موجود ہے لیکن جیسا کہ مشہور ہے کہ دیوانہ را
ہوئے بس است۔ جدت پسند طبیعتوں پر جسقدر مغربی انشا پردازی کی لَے ابتک
کھلی تھی وہی اُنکو لے اُڑی۔ بہت سے موزوں طبع اور بعضے کہن مشق بھی جن پر
قدیم شاعری کا رنگ چڑھ چکا تھا اس مشاعرہ میں شریک ہونے لگے۔ اگرچہ یہ صحبت
مدت تک جمی رہی لیکن راقم صرف چار جلسوں میں شریک ہونے پایا تھا کہ بہ سبب

ناموافقت آب وہوا کے لاہور سے تبدیل ہو کر دلی چلا آیا۔ مجھکو مغربی شاعری کے اصول سے نہ اُس وقت کچھ آگاہی تھی اور نہ اب ہے اور نیز میرے نزدیک مغربی شاعری کا پورا پورا تتبع ایک ایسی ناکمل زبان میں جیسی کہ اُردو ہے ہو بھی نہیں سکتا البتہ کچھ تو میری طبیعت مبالغہ و اغراق سے بالطبع نفور تھی اور کچھ اس نئے چرچے نے اُس نفرت کو زیادہ مستحکم کر دیا۔ اِس ایک بات کے سوا میرے کلام میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس سے انگریزی شاعری کے تتبع کا دعویٰ کیا جا سکے یا اپنی قدیم طریقہ کے ترک کرنے کا الزام عائد ہو۔

چار مثنویاں جو اِس مجموعہ میں سب سے اول درج کی گئی ہیں یعنی **برکھا رُت۔ نشاطِ امید۔ حب الوطن۔** اور **مناظرہ رحم و انصاف** اُسی مشاعرہ کی نظمیں ہیں جو مشاعروں کی ترتیب کے موافق اس کتاب میں داخل کی گئی ہیں۔ اُنکے بعد جو کچھ لکھا گیا ہے اُس کو مشاعرہ مذکور سے کچھ تعلق نہیں ہے محض بہ تقاضائے وقت و مقتضائے طبیعت یا بہ تحریک بعض اکابر قوم وقتاً بعد وقتٍ چیناً بعد حینٍ ترتیب پا کر اُنمیں سے چند عام طور پر شائع ہو گئی ہیں اور چند بالکل شائع نہیں ہوئیں۔ اور کچھ اخباروں وغیرہ کے ذریعہ سے بعض احباب نے پبلک کی نذر کی ہیں میرے اکثر دوست مدت سے متقاضی تھے کہ اپنے تمام ہفوات ایک جگہہ جمع کر کے نکتہ نواز دوستوں سے داد اور نکتہ گیر یاروں سے اپنے کلام کی اصلاح میں امداد لوں لیکن جو نظمیں عام طور پر شائع ہو رہی ہیں جیسے **مدو جزر اسلام**

مناجات بیوہ حقوق اولاد - اور شکوۂ ہند وغیرہ -
انکو اِس مجموعہ میں داخل کرنے کی کچھ ضرورت نہ تھی - اور دیوان غزلیات و قطعات
و رباعیات وغیرہ میں ابھی کچھ اور بڑھانا باقی تھا اسلئے اِن کو چھوڑ کر باقی اکثر نظمیں
جو ۱۸۷۴ء سے ابتک لکھی گئی ہیں سب ہدیۂ ناظرین کیجاتی ہیں +

میں اپنے قدیم مذاق کے دوستوں اور ہموطنوں سے جو کسی قسم کی جدت کو
پسند نہیں کرتے معافی چاہتا ہوں کہ اس مجموعہ میں اُن کی ضیافتِ طبع کا کوئی
سامان مجھسے مہیا نہیں ہوسکا اور اُن صاحبوں کے سامنے جو مغربی شاعری کی
ماہیت سے واقف ہیں اعتراف کرتا ہوں کہ طرز جدید کا حق ادا کرنا میری طاقت
سے باہر تھا - البتہ میں نے اردو زبان میں نئی طرز کی ایک ادھوری اور ناپائدار
بنیاد ڈالی ہے - اُس پر عمارت چننی اور اُسکو ایک قصرِ رفیع الشان بنانا ہمارے آئندہ
ہونہار اور مبارک نسلوں کا کام ہے جنسے امید ہے کہ اِس بنیاد کو ناتمام نہ چھوڑینگے -

پارۂ در خاکِ معنی تخمِ سعی افشاندہ ایم
بو کہ بعد از ما شود ایں تخم نخلِ باردار

برکھارُت

مرتبہ ۱۸۷۴ء

گرمی کی تپش بجھانے والی
سردی کا پیام لانے والی

قدرت کے عجائبات کی کان
عارف کے لئے کتاب عرفان

وہ شاخ و درخت کی جوانی
وہ مور و ملخ کی زندگانی

وہ سارے برس کی جان برسات
وہ کون خدا کی شان برسات

آئی ہے بہت دعاؤں کے بعد
اور سیکڑوں التجاؤں کے بعد

وہ آئی تو آئی جان میں جان
سب تھے کوئی دن کے ورنہ مہمان

گرمی سے تڑپ رہے تھے جاندار
اور دھوپ میں تپ رہے تھے کہسار

بھوبل سے سوا تھا ریگ صحرا
اور کھول رہا تھا آب دریا

تھی لوٹ سی پڑ رہی چمن میں
اور آگ سی لگ رہی تھی بن میں

سانڈے تھے بلوں میں منہ چھپائے
اور ہانپ رہے تھے چارپائے

تھیں لومڑیاں زباں نکالے
اور لو سے ہرن ہوئے تھے کالے

چیتل کو نہ تھی شکار کی سدھ
ہرنوں کو نہ تھی قطار کی سدھ

تھے شیر پڑے کچھار میں سست
گھڑیال تھے رودبار میں سست

ڈھوروں کا ہوا تھا حال پتلا
بیلوں نے دبا تھا ڈال کندھا

بھینسوں کے لہو نہ تھا بدن میں
اور دودھ نہ تھا گئو کے تھن میں

گھوڑوں کا چھٹا تھا گھاس دانہ
تھا پیاس کا اُن پہ تازیانہ

گرمی کا لگا ہوا تھا بھبکا
اور اُنس نکل رہا تھا سب کا

طوفان تھے آندھیوں کے برپا
اُٹھتا تھا بگولے پر بگولا

آرے تھے بدن پہ لُو کے چلتے
شعلے تھے زمیں سے نکلتے

تھی آگ کا دے رہی ہوا کام
تھا آگ کا نام مُفت بدنام

رستوں میں سوار اور پیدل
سب دھوپ کے ہاتھ سے تھے بیکل

گھوڑوں کے نہ آگے اُٹھتے تھے پانو
ملتی تھی کہیں نہ رکھ کی چھانو

تھی سب کی نگاہ سوئے افلاک
پانی کی جگہہ برستی تھی خاک

پنکھے سے نکلتی جو ہوا تھی
وہ بادِ سموم سے سوا تھی

بجھنی نہ تھی آتشِ درونی
لگتی تھی ہوا سے آگ دونی

سات آٹھ بجے سے دن چھپے تک
جانداروں پہ دھوپ کی تھی دستک

ٹٹّی میں تھا دن گنواتا کوئی
تہ خانہ میں مُنہ چھپاتا کوئی

بازار پڑے تھے سارے سُنسان
آتی تھی نظر نہ شکلِ انسان

چلتی تھی دُکان جنکی دن رات
بیٹھے تھے وہ ہات پر دھرے ہات

خلقت کا ہجوم کچھ اگر تھا ۔ یا پیاؤ پہ یا سبیل پر تھا

تھا شہر میں قحط آدمی زاد ۔ سلطان[1] کا اک کنواں تھا آباد

پانی سے تھی سب کی زندگانی ۔ میلا تھا وہیں جہاں تھا پانی

تھیں برف پہ نیتیں لپکتی ۔ فالودہ پہ رال تھی ٹپکتی

پھل پھول کی دیکھ کر طراوت ۔ پاتے تھے دل و جگر طراوت

کنجڑوں کی وہ بولیاں سہانی ۔ بھر آتا تھا سنکے منہ میں پانی

تھے جو خفقانی اور مراقی ۔ گرمی سے نہ تھا کچھ ان میں باقی

کھانے کا نہ تھا انھیں مزا کچھ ۔ آٹھ آٹھ پہر نہ تھی غذا کچھ

بن کھائے کئی کئی دن اکثر ۔ رہتے تھے فقط ٹھنڈائیوں پر

شب کٹتی تھی ایڑیاں رگڑتے ۔ مر پیٹ کے صبح تھی پکڑتے

اور صبح سے شام تک برابر ۔ تھا اَلعَطَش اَلعَطَش زباں پر

بچوں کا ہوا تھا حال بیحال ۔ کمھلائے ہوئے تھے پھول سے گال

آنکھوں میں تھا انکا پیاس سے دم ۔ تھے پانی کو دیکھ کرتے ہُم ہُم

ہر بار پکارتے تھے ماں کو ۔ ہونٹوں پہ تھے پھیرتے زباں کو

پانی دیا گر کسی نے لاکر ۔ پھر چھوڑتے تھے نہ منہ لگا کر

[1] لاہور میں جہاں یہ مثنوی لکھی گئی تھی ایک سلطان کا کنواں مشہور ہے جس کا پانی نہایت ٹھنڈا ہوتا ہے اور گرمی کے موسم میں وہاں آدمیوں کا نہایت ہجوم رہتا ہے ۱۲

بچے ہی نہ پیاس سے تھے مضطر — تھا حال بڑوں کا اُن سے بدتر
تخصیص تھی کچھ نہ میری تیری — پانی سے نہ تھی کسی کو سیری
کل شام تلک تو تھے یہی طور — پر رات سے ہی سماں ہے کچھ اور
پرُوا کی دہائی پھر رہی ہے — پچھوا سے خدائی پھر رہی ہے
برسات کا بج رہا ہے ڈنکا — اک شور ہے آسماں پہ برپا
ہے ابر کی فوج آگے آگے — اور پیچھے ہیں دَل کے دَل ہوا کے
ہیں رنگ برنگ کے رسالے — گورے ہیں کہیں کہیں ہیں کالے
ہے چرخ پہ چھاؤنی سی چھاتی — اک آتی ہے فوج ایک جاتی
جاتے ہیں مہم پہ کوئی جانے — ہمراہ ہیں لاکھوں توپخانے
توپوں کی ہے جبکہ باڑ چلتی — چھاتی ہے زمین کی دہلتی
مینہ کا ہے زمین پر دڑیڑا — گرمی کا ڈبو دیا ہے بیڑا
بجلی ہے کبھی جو کوند جاتی — آنکھوں میں ہے روشنی سی آتی
گھنگھور گھٹائیں چھا رہی ہیں — جنت کی ہوائیں آ رہی ہیں
کوسوں ہے جدھر نگاہ جاتی — قدرت ہے نظر خدا کی آتی
سورج نے نقاب لی ہے منہ پر — اور دھوپ نے تہ کیا ہے بستر
باغوں نے کیا ہے غسل صحت — کھیتوں کو ملا ہے سبز خلعت
سبزہ سے ہے کوہ و دشت معمور — ہے چار طرف برس رہا نور

بٹیا ہے نہ ہے سڑک نمودار — اٹکل سے ہیں راہ چلتے رہوار

ہے سنگ شجر کی ایک وردی — عالم ہے تمام لاجوردی

پھولوں سے پٹے ہوئے ہیں کہسار — دولھا سے بنے ہوئے ہیں اشجار

پانی سے بھرے ہوئے ہیں جل تھل — ہے گونج رہا تمام جنگل

کرتے ہیں پپیہے پیہو پیہو — اور مور جھنگارتے ہیں ہر سو

کوئل کی ہے کوک جی لبھاتی — گویا کہ ہے دل میں پیٹھی جاتی

مینڈک ہیں جو بولنے پہ آتے — سنسار کو سر پہ ہیں اٹھاتے

سب خوانِ کرم سے حق کے ہیں سیر — پانی میں مگر گھچار میں شیر

زردار ہیں اپنے مال میں مست — قلاش ہیں اپنی کھال میں مست

ابر آیا ہے گھر کے آسمان پر — نکلے ہیں خوشی کے ہر زباں پر

مسجد میں ہے وردِ اہلِ تقویٰ — یَا رَبِّ لَنَا وَ لَا عَلَیْنَا

مندر میں ہے ہر کوئی یہ کہتا — کرپا ہوئی تیری میگھ راجا

کرتے ہیں گرو گرو گر نتھی — گاتے ہیں بھجن کبیر پنتھی

جاتا ہے کوئی ملار گاتا — ہے دیس میں کوئی گنگناتا

بھنگی ہیں نشے میں گاتے پھرتے — اور بانسریاں بجاتے پھرتے

سر ڈن کوئی گا رہا ہے بیٹھا — چھیڑا ہے کسی نے ہیر رانجھا

بیٹھک جو بڑے ہیں جن میں مست — ڈھلکے ہیں دیئوں پہ ڈھکتے پھرتے

کرتے ہیں وہ یوں جیوں کی رکھیا — تا جل نہ مجھے کوئی پتنگا

ہیں شکر گزار تیرے برسات — انسان سے لیکے تا جمادات
دنیا میں بہت تھی چاہ تیری — سب دیکھ رہے تھے راہ تیری
تجھ سے ہے کھلا یہ رازِ قدرت — راحت ملتی ہے بعدِ کلفت
شکریہ فیضِ عام تیرا — پیشانیِ دہر پر ہے لکھا
گلشن کو دیا جمال تو نے — کھیتی کو کیا نہال تو نے
طاؤس کو ناچنا بتایا — کوئل کو الاپنا سکھایا
جب سور ہے ناچنے یہ آتا — آپے سے ہے اپنے گذرا جاتا
کوئل کو نہیں قرار اک پل — ایسی کوئی تو نے کوک دی کل
شب بھر میں ہوا سماں دگرگوں — کیا پڑھ دیا آکے تو نے افسوں
سوئے تو اساڑھ کا عمل تھا — اٹھے تو سماں ہی ماہ کا سا
لاہور میں شب ہوئی تھی لیکن — کشمیر میں پہنچے جب ہوا دن
امرت سا ہوا میں بھر دیا کچھ — اک رات میں تجھ سے کر دیا کچھ
دریا تجھ بن سسک رہے تھے — اور بن ترے راہ تک رہے تھے
دریاؤں میں تو نے ڈالدی جان — اور تجھ سے بنوں کو لگ گئی شان
جن جھیلوں میں کل تھی خاک اڑتی — ملتی نہیں آج تھاہ ان کی

جو دانے تھے خاک میں پریشان
سب آ کے چڑھائے تو نے پروان

دولت جو زمین میں تھی مخفی
آگے ترے اُس نے سب اُگل دی

پڑتے تھے ڈلاؤ جس زمیں پر
وہاں سبزہ و گل ہیں جلوہ گستر

جن پودوں کو کل تھے ڈھور چرتے
باتیں ہیں وہ آسماں سے کرتے

جن باغوں میں اُڑتے تھے بگولے
وہاں سیکڑوں اب پڑے ہیں جھولے

تھے ریت کے جس زمیں پہ انبار
ہے بیر بہٹیوں سے گلنار

کچھ باغوں میں جا بجا گڑے ہیں
جھولے ہیں کہ سو بہ سو پڑے ہیں

کچھ لڑکیاں بالیاں ہیں کم سن
جنکے ہیں یہہ کھیل کود کے دن

ہیں پھول رہی خوشی سے ساری
اور جھول رہی ہیں باری باری

جب گیت ہیں ساری ملکے گاتی
جنگل کو ہیں سر پہ وہ اُٹھاتی

اک سب کو کھڑی جھلا رہی ہے
اک گرنے سے خوف کھا رہی ہے

ہے اُن میں کوئی ملار گاتی
اور دوسری پینگ ہے چڑھاتی

گاتی ہے کوئی کبھی ہنڈولا
کہتی ہے کوئی بدیسی ڈھولا

اک جھولے سے وہ گری ہے جا کر
سب ہنستی ہیں ہے قہقہے لگا کر

ندی نالے چڑھے ہوئے ہیں
تیراکوں کے دل بڑھے ہوئے ہیں

گھڑناؤ پہ ہے سوار کوئی
اور تیر کے پہنچا پار کوئی

بگلوں کی ہیں ڈاریں آکے گرتی
مرغابیاں تیرتی ہیں پھرتی

چھلکے ہیں یہ پاٹ ندیوں کے — دن بھر میں ہیں بیڑے جا کے لگتے

زوروں پہ چڑھا ہوا ہے پانی — موجوں کی ہیں صورتیں ڈرانی

ناویں ہیں کہ ڈگمگا رہی ہیں — موجوں کے تھپیڑے کھا رہی ہیں

ملاحوں کے اُڑ رہے ہیں اوسان — بیڑے کا خدا ہی ہے نگہبان

منجدھار کی رَو یہ زور پر ہے — مچھلی کو بھی جان کا خطر ہے

بیزار[لہ] اک اپنے جان و تن سے — بچھڑا ہوا صحبت وطن سے

غربت کی صعوبتوں کا مارا — چلنے کا نہیں ہے جسکو یارا

غمخوار ہے کوئی اور نہ دلجو — اک باغ میں ہے پڑا لب جو

ہیں دھیان میں کلفتیں سفر کی — آپے کی خبر ہے اور نہ گھر کی

ابر اتنے میں اک طرف سے اٹھا — اور رنگ سا کچھ ہوا کا بدلا

برق آ کے لگی تڑپنے پیہم — اور پڑنے لگی پھوار کم کم

آنے جو لگے ہوا کے جھونکے — تھے جتنے سفر کے رنج بھولے

سامان ملے جو دل لگی کے — یاد آئے مزے کبھی کبھی کے

دیکھے کوئی اُس گھڑی کا عالم — وہ آنسوؤں کی جھڑی کا عالم

لہ یہاں سے آخیر تک کچھ اشعار بہ رعایت موسم اپنے حسب حال بے اختیار قلم سے ٹپک پڑے ہیں اُن دنوں میں بہ ہجوم امراض اور دیگر عوارض کی وجہ سے لاہور میں رہنا فی الواقع نہایت شاق معلوم ہوتا تھا اور وطن کی طرف واپس آنے کے لئے کوشش کیجاتی تھی ۱۲

وہ آپ ہی آپ گنگنانا — اور جوش میں آ کبھی یہ گانا
اے چشمۂ آبِ زندگانی — گھٹیو نہ کبھی تری روانی
جاتی ہے جدھر تری سواری — بستی ہے اُسی طرف ہماری
پائے جو کہیں مری سبھا کو — دیتا ہوں میں بیچ میں خدا کو
اول کہیو سلام میرا — پھر دیجیو یہ پیام میرا
قسمت میں یہی تھا اپنی لکھا — فرقت میں تمھاری آئے برکھا
آتا ہے تمھارا دھیان جس دم — مرغابیاں تیرتی ہیں باہم
ہم تم یونہیں صبح و شام اکثر — تالاب میں تیرتے تھے جا کر
جب سبزہ و گل ہیں لہلہاتے — صحبت کے مزے ہیں یاد آتے
ہم تم یونہیں ہاتھ میں دیے ہات — پھرتے تھے ہوائیں کھاتے دن رات
جب پیڑ سے آم ہے ٹپکتا — ہیں تمکو ادھر ادھر ہوں تکتا
آخر نہیں پاتا جب کسی کو — دیتا ہوں دعائیں بیکسی کو
رُت آم کی آئے اور نہوں یار — جی اپنا ہے ایسی رُت سے بیزار
تم بن جو ہے بوند تن پہ پڑتی — چنگاری سی ہے بدن پہ پڑتی
ہے سرد ہوا بدن کو لگتی — پر دل میں ہے آگ سی سلگتی
پردیس میں سچ ہے کیا ہو جی شاد — جب جی میں بھری ہو دیس کی یاد
نشتر کی طرح تھی دل میں چبھتی — فریاد یہ دردناک اُس کی

تھا سوز میں کچھ ملا ہوا ساز
پکڑا گیا دل سن اُس کی آواز

حیرت رہی دیر تک کہ آخر
ڈھونڈا ہے کہاں کا یہ مسافر

پھر غور سے اِک نظر جو ڈالی
نکلا وہ ہمارا دوست حالی

نشاطِ امید

مرتبہ ١٨٧٤ء

اے مری امید مری جان نواز
اے مری دلسوز مری کارساز

میری سپر اور مرے دل کی پناہ
درد و مصیبت میں مری تکیہ گاہ

عیش میں اور رنج میں میری شفیق
کوہ میں اور دشت میں میری رفیق

کاٹنے والی غمِ ایام کی
تھامنے والی دلِ ناکام کی

دل پہ پڑا آنکے جب کوئی دکھ
تیرے دلاسے سے ملا ہم کو سکھ

تو نے نہ چھوڑا کبھی غربت میں ساتھ
تو نے اُٹھایا نہ کبھی سر سے ہاتھ

جی کو ہوا گر کبھی عسرت کا رنج
کھول دیے تو نے قناعت کے گنج

تجھ سے ہے محتاج کا دل بے ہراس
تجھ سے ہے بیمار کو جینے کی آس

خاطرِ رنجور کا درماں ہے تو
عاشقِ مہجور کا ایماں ہے تو

نوح کی کشتی کا سہارا تھی تو
چاہ میں یوسف کی دل آرا تھی تو

رام کے ہمراہ چڑھی رن میں تو
پانڈوؤں کے ساتھ پھری بن میں تو

تو نے سدا قیس کا بہلایا دل
تھام لیا جب کبھی گھبرایا دل
ہو گیا فرہاد کا قصہ تمام
پر ترے فقروں پہ رہا خوش مدام
تو نے ہی رانجھے کی یہ بندھوائی آس
ہیر بھی فرقت میں بھی گویا کہ پاس
ہوتی ہے تو پشت پہ ہمت کی جب
مشکلیں آساں نظر آتی ہیں سب
ہاتھ میں جب آ کے لیا تو نے ہات
سات سمندر سے گذرنا ہے بات
ساتھ۔ ملا جس کو ترا دو قدم
کہتا ہے وہ یہ ہے عرب اور عجم
گھوڑے کی لی اپنے جہاں تو نے باگ
سامنے ہے تیرے گیا اور پراگ
عزم کو جب دیتی ہے تو میلِ جست
گنبدِ گردوں نظر آتا ہے پست
تو نے دیا آ کے ابھارا جہاں
سمجھے کہ مٹھی میں ہے سارا جہان
ذرّے کو خورشید میں دے تو کھپا
بندے کو اللہ سے دے تو ملا

دونو جہاں کی ہے بندھی تجھ سے لڑ
دین کی تو اصل ہے دنیا کی جڑ
نیکیوں کی تجھ سے ہے قائم اساس
تو نہ ہو تو جائیں نہ نیکی کے پاس
دین کی تجھ بن کہیں پرسش نہ ہو
تو نہ ہو تو حق کی پرستش نہ ہو
خشک تھا بن تیرے درختِ عمل
تو نے لگائے ہیں سب پھول پھل
دل کو لبھاتی ہے کبھی بن کے حور
گاہ دکھاتی ہے شرابِ طہور
نام ہے سدرہ کبھی طوبےٰ ترا
روز نرالا ہے تماشا ترا

کوثر و تسنیم ہے یا سلسبیل
جلوے ہیں سب تیرے یہ بے قال و قیل
روپ ہیں ہر پنتھ میں تیرے الگ
ہے کہیں فردوس کہیں ہے سرگ
ایک سے ہے ایک انوکھا برن
ہے کہیں محشر کہیں آواگون
ایک ادا میں تیری لاکھوں رشی
کھپ گئے جن کی نہ خبر کچھ ملی
کوہ ہمالہ میں بہت جا گلے
اور تپشا میں بہت جل بجھے
تیرے تصور میں ہزاروں ولی
ڈوبے کچھ ایسے کہ نہ اُچھلے کبھی
پڑھ دیا زاہد پہ کچھ ایسا فسوں
دل کی تپش اُس کی ہے ہر دم فزوں
کر دیا راہب پہ خدا جانے کیا
ہو گیا دُنیا سے وہ بیزار سا
جس کو غرض دیکھئے دُھن ہے یہی
صوفی صافی ہو کہ ہو مولوی
نشۂ امید میں ہیں چور سب
ایک پیالے سے ہیں مخمور سب

جب کہ ہمایوں سے چھٹا ملک و تخت
اور پھنسا بندِ حوادث میں سخت
یار رہا اور نہ کوئی غمگسار
دوست و دشمن کے لگے چلنے وار
پھر گئے دلدادۂ عمر ماں تھے جو
چھٹ گئے وابستۂ داماں تھے جو
گھر میں نہ رہنے کی ملی کوئی راہ
ملک میں لی غیر کے جا کر پناہ
ہو گئے اغیار یگانے سبھی
تو نے مگر ساتھ نہ چھوڑا کبھی
چھوٹ گئے سارے قریب اور بعید
ایک نہ چھوٹی تو نہ چھوٹی اُمید

تیرے ہی دم سے کٹے جو دن سخت
تیرے ہی صدقے سے ملا تاج و تخت

خاکیوں کی تجھ سے ہے ہمت بلند
تو نہ ہو تو کام ہوں دنیا کے بند

تجھ سے ہی آباد ہے کون و مکاں
تو نہ ہو تو ہو ابھی برہم جہاں

کوئی پڑا پھرتا ہے بہر معاش
ہے کوئی اکسیر کو کرتا تلاش

ایک تمنا میں ہے اولاد کی
ایک کو دلدار کی ہے لو لگی

ایک کو ہے دھن کہ جو کچھ ہاتھ آئے
دھوم سے اولاد کی شادی رچائے

ایک کو کچھ آج اگر مل گیا
کل کی ہے یہ فکر کہ کھائینگے کیا

قوم کی بہبود کا بھوکا ہے ایک
جسمیں ہو اُنکے لئے انجام نیک

ایک کو ہے تشنگی قرب حق
جس نے کیا دل سے جگر تک ہے شق

جو ہے غرض اُس کو ہی جستجو
لاکھ اگر دل ہیں تو لاکھ آرزو

تجھ سے ہیں دل سب کے مگر باغ باغ
گل کوئی ہونے نہیں پاتا چراغ

سب یہ سمجھتے ہیں کہ پائی مراد
کہتی ہے جب تو کہ اب آئی مراد

وعدہ ترا راست ہو یا ہو دروغ
تو نے دیئے ہیں اُسے کیا کیا فروغ

وعدے وفا کرتی ہے گو چند تو
رکھتی ہے ہر ایک کو خرسند تو

بھاتی ہے سب کو تری لیت و لعل
تو نے کہاں سیکھی ہے یہ آج کل

تلخ کو تو چاہے تو شیریں کرے
بزم عزا کو طرب انگیں کرے

آنے نہ دے رنج کو مفلس کے پاس
رکھے غنی اُس کو ہے جس کے پاس

پاس کا پانی ہے جو تو کچھ لگاؤ
سینکڑوں کرتی ہے اُتار اور چڑھاؤ

آنے نہیں دیتی دلوں پر ہراس
ٹوٹنے دیتی نہیں طالب کی آس

جن کو میسر نہیں کملی پھٹی
خوش ہیں توقع پہ وہ زربفت کی

چھٹنی سے روٹی کا ہے جنکی بناؤ
بیٹھے پکاتے ہیں خیالی پلاؤ

پاؤں میں جوتی نہیں پر ہے یہ ذوق
گھوڑا جو سبزہ ہو تو نیلا ہو طوق

فیض کے کھولے ہیں جہاں تونے باب
دیکھتے ہیں جھونپڑے محلوں کے خواب

تیرے کرشمے ہیں غضب دلفریب
دل میں نہیں چھوٹتے صبر و شکیب

تجھسے ہوس نے جو شورے لیا
پھونک دیا کان میں کیا جانے کیا

دل سے بھلا یا زن و فرزند کو
لگ گیا گھن نخلِ برومند کو

کھانے سے پینے سے ہوا سرد جی
ایسی کچھ اکسیر کی ہے لو لگی

دین کی ہے فکر نہ دنیا سے کام
دھن ہے یہی رات دن اور صبح و شام

دھونکنی ہے بیٹھ کے جب دھونکتا
شہ کو سمجھتا ہے اک ادنی گدا

پیسے کو جب تاؤ پہ دیتا ہے تاؤ
پوچھتا یاروں سے ہے سونے کا بھاؤ

کہتا ہے جب ہنستے ہیں سب دیکھ کر
رہ گئی اک آنچ کی باقی کسر

ہے اسی دھندے میں وہ آسودہ حال
تونے دیا عقل پہ پردہ سا ڈال

تول کے گر دیجئے اُس کی خوشی
کوئی خوشی اُس کو نہ پہنچے کبھی

پھرتے ہیں محتاج کئی تیرہ بخت
جن کے بڑوں میں تھا کبھی تاج و تخت

آج جو برتن ہیں تو کل گھر گرو
ملتی ہے مشکل سے اُنھیں نانِ جو

تیرے سوا خاک نہیں اُنکے پاس
ساری خدائی میں ہے لے دے کے آس

پھولے سماتے نہیں اس آس پر
صاحبِ عالم اُنھیں کہیے اگر

کھاتے ہیں اس آس پہ قسمیں عجیب
چھوٹے کو ہو تخت نہ یارب نصیب

ہوتا ہے نومیدیوں کا جب ہجوم
آتی ہے حسرت کی گھٹا جھوم جھوم

لگتی ہے ہمت کی کمر ٹوٹنے
حوصلے کا لگتا ہے جی چھوٹنے

ہوتی ہے بے صبری و طاقت میں جنگ
عرصۂ عالم نظر آتا ہے تنگ

جی میں یہ آتا ہے کہ سم کھائیے
پھاڑ کے یا کپڑے نکل جائیے

بیٹھنے لگتا ہے دل آوے کی طرح
یاس ڈراتی ہے چھلاوے کی طرح

ہوتا ہے شکوہ کبھی تقدیر کا
اُڑتا ہے خاکا کبھی تدبیر کا

ٹھنتی ہے گردوں سے لڑائی کبھی
ہوتی ہے قسمت کی ہنسائی کبھی

جاتا ہے قابو سے دل آخر نکل
کرتی ہے اِن مشکلوں کو تو ہی حل

کان میں پہنچی تری آہٹ جو ہیں
رختِ سفر یاس نے باندھا وہیں

ساتھ گئی یاس کے پژمردگی
ہو گئی کافور سب افسردگی

تجھ میں چھپا راحتِ جاں کا ہے بھید
چھوڑیو حالی کا نہ ساتھ اے اُمید

حبِّ وطن

مرتبۂ ۱۸۷۴ء

اے سپہرِ بریں کے سیّارو — اے فضائے زمیں کے گلزارو

اے پہاڑوں کی دلفریب فضا — اے لبِ جو کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا

اے عنادل کی نغمۂ سحری — اے شبِ ماہتاب تاروں بھری

اے نسیمِ بہار کے جھونکو — دہرِ ناپائدار کے دھوکو

تم ہر اک حال میں ہو یوں تو عزیز — تھے وطن میں مگر کچھ اور ہی چیز

جب وطن میں ہمارا تھا رمنا — تم سے دل باغ باغ تھا اپنا

تم مری دل لگی کے ساماں تھے — تم مرے دردِ دل کے درماں تھے

تم سے کٹتا تھا رنجِ تنہائی — تم سے پاتا تھا دل شکیبائی

آن اک اک تمھاری بھاتی تھی — جو ادا تھی وہ جی لبھاتی تھی

کرتے تھے جب تم اپنی غمخواری — دھوئی جاتی تھیں کلفتیں ساری

جب ہوا کھانے باغ جاتے تھے — ہو کے خوشحال گھر میں آتے تھے

بیٹھ جاتے تھے جب کبھی لبِ آب — دھو کے اٹھتے تھے دل کے داغ شتاب

کوہ و صحرا و آسمان و زمیں — سب مری دل لگی کی شکلیں تھیں

پر چھٹا جب سے اپنا ملک و دیار — جی ہوا تم سے خود بخود بیزار

نہ گلوں کی ادا خوش آتی ہے — نہ صدا بلبلوں کی بھاتی ہے
سیر گلشن ہے جی کا اک جنجال — شب مہتاب جان کو ہے وبال
کوہ و صحرا سے تا لب دریا — جس طرف جائیں جی نہیں لگتا
کیا ہوئے وہ دن اور وہ راتیں — تم میں اگلی سی اب نہیں باتیں
ہم ہی غربت میں ہو گئے کچھ اور — یا تمھارے ہی کچھ بدل گئے طور
گو وہی ہم ہیں اور وہی دنیا — پر نہیں ہم کو لطف دنیا کا

اے وطن اے مرے بہشت بریں — کیا ہوئے تیرے آسمان و زمیں
رات اور دن کا وہ سماں نہ رہا — وہ زمیں اور وہ آسماں نہ رہا
تیری دوری ہے مورد آلام — تیرے چھٹنے سے چھٹ گیا آرام
کاٹے کھاتا ہے باغ بن تیرے — گل ہیں نظروں میں داغ بن تیرے
مٹ گیا نقش کامرانی کا — تجھ سے تھا لطف زندگانی کا
جو کہ رہتے ہیں تجھ سے دور سدا — ان کو کیا ہوگا زندگی کا مزا
ہو گیا یہاں تو دو ہی دن میں یہ حال — تجھ بن ایک ایک پل ہے اک اک سال
سچ بتا تو سبھی کو بھاتا ہے — یا کہ مجھ سے ہی تیرا ناتا ہے
میں ہی کرتا ہوں تجھ پہ جان نثار — یا کہ دنیا ہے تیری عاشق زار
کیا زمانہ کو تو عزیز نہیں — اے وطن تو تو ایسی چیز نہیں

جن و انسان کی حیات ہے تو
مرغ و ماہی کی کائنات ہے تو

ہے نباتات کو نمو تجھ سے
روکھ تجھ بن ہرے نہیں ہوتے

سب کو ہوتا ہے تجھ سے نشو و نما
سب کو بھاتی ہے تیری آب و ہوا

تیری اِک مُشت خاک کے بدلے
لوں نہ ہرگز اگر بہشت ملے

جان جب تک نہ ہو بدن سے جُدا
کوئی دشمن نہ ہو وطن سے جدا

حملہ جب قوم آریا نے کیا
اور بجا اُن کا ہند میں ڈنکا

ملک اُس سے بہت سے کام آئے
جو بچے وہ غلام کہلائے

شُودر کہلائے راکشس کہلائے
رنج پردیس کے مگر نہ اُٹھائے

گو غلامی کا لگ گیا دھبا
نہ چُھٹا اُن سے دیس پر نہ چھٹا

قدر اے دل وطن میں رہنے کی
پوچھے پردیسیوں کے جی سے کوئی

جب ملا رامچندر کو بن باس
اور نکلا وطن سے ہو کے اُداس

باپ کا حکم رکھ لیا سر پر
پر چلا ساتھ لے کے داغِ جگر

پاؤں اُٹھتا تھا اُس کا بن کی طرف
اور کھچتا تھا دل وطن کی طرف

گزرے غربت میں اسقدر مہ و سال
پر نہ بھولا اَجُدھیا کا خیال

دیس کو بن میں جی بھٹکتا رہا
دل میں کانٹا سا اِک کھٹکتا رہا

تیر اِک دل میں آ کے لگتا تھا
آتی تھی جب اَجُدھیا کی ہوا

کٹنے چودہ برس ہوئے تھے محال
گویا ایک ایک جگ تھا ایک اک سال

ہوئے یثرب کی سمت جب راہی
سیدِ ابطحی کے ہمراہی
رشتے الفت کے سارے توڑ چلے
اور بالکل وطن کو چھوڑ چلے
گو وطن سے چلے تھے ہو کے خفا
پر وطن میں تھا سب کا جی اٹکا
دل لگی کے بہت ملے سامان
پر نہ بھولے وطن کے ریگستان
دل میں آٹھوں پہر کھٹکتے تھے
سنگریزے زمین بطحا کے
گھر جفاؤں سے جنکی چھوٹا تھا
دل سے رشتہ نہ اُن کا ٹوٹا تھا

ہوئیں یوسف کی سختیاں جب دور
اور ہوا ملک مصر پر مامور
مصر میں چار سو تھا حکم رواں
آنکھ تھی جانب وطن نگراں
یادِ کنعاں جب اُسکو آتی تھی
سلطنت ساری بھول جاتی تھی
دکھ اُٹھائے تھے جس وطن میں سخت
تاج بھاتا تھا اُس بغیر نہ تخت
جسنے دیکھی تھی سخت بےمہری
لو تھی اُن بھائیوں کی دل کو لگی

ہم بھی حبِ وطن میں گو ہیں غرق
ہم ہیں اور اُن میں ہے مگر یہ فرق
ہم ہیں نامِ وطن کے دیوانے
وہ تھے اہلِ وطن کے پروانے
جسنے یوسف کی داستاں ہے سنی
جانتا ہوگا نہ یہ ادا اُس کی

مصر میں قحط جب پڑا آکر — اور ہوئی قوم بھوک سے مضطر
کر دیا اُنپہ وقف بیت المال — لب تک آنے دیا نہ حرفِ سوال
کھتیاں اور کوٹھے کھول دئے — مُفت سارے ذخیرے تول دئے
قافلے خالی ہاتھ آتے تھے — اور بھرپور یہاں سے جاتے تھے
یوں گئے قحط کے وہ سال گزر — جیسے بچوں کی بھوک وقت سحر

اے دل اے بندۂ وطن ہشیار — خوابِ غفلت سے ہو ذرا بیدار
او شراب خودی کے متوالے — گھر کی چوکھٹ کے چومنے والے
نام ہے کیا اسی کا حبِ وطن — جس کی تجھ کو لگی ہوئی ہے لگن
کبھی بچوں کا دھیان آتا ہے — کبھی یاروں کا غم ستاتا ہے
یاد آتا ہے اپنا شہر کبھی — لو کبھی اہل شہر کی ہے لگی
نقش ہیں دل پہ کوچہ و بازار — پھرتے آنکھوں میں ہیں در و دیوار
کیا وطن کی یہی محبت ہے — یہ بھی الفت میں کوئی الفت ہے
اسمیں انسان سے کم نہیں ہیں درند — اس سے خالی نہیں چرند و پرند
ٹکڑے ہوتے ہیں سنگ غربت میں — سوکھ جاتے ہیں وحش فرقت میں
جاکے کابل میں آم کا پودا — کبھی پروان چڑھ نہیں سکتا
آکے کابل سے یہاں بہی و انار — ہو نہیں سکتے بار ور زنہار
مچھلی جب چھوٹتی ہے پانی سے — ہاتھ دھوتی ہے زندگانی سے

آگ سے جب ہوا سمندر دور
اوسکو جینے کا پھر نہیں مقدور

گھوڑے جب کھیت سے بچھڑتے ہیں
جان کے لالے اُنکے پڑتے ہیں

گائے یا بھینس اونٹ یا بکری
اپنے اپنے ٹھکانے خوش ہیں سبھی

کہیے حُبِّ وطن اسی کو اگر
ہم سے حیواں نہیں ہیں کُچھ کمتر

ہے کوئی اپنی قوم کا ہمدرد
نوعِ انساں کا جس کو سمجھیں فرد

جسپہ اطلاقِ آدمی ہو صحیح
جسکو حیواں پہ دے سکیں ترجیح

قوم پر کوئی زد نہ دیکھ سکے
قوم کا حالِ بد نہ دیکھ سکے

قوم سے جان تک عزیز نہ ہو
قوم سے بڑھ کے کوئی چیز نہ ہو

سمجھے اُنکی خوشی کو راحت جاں
وہاں جو نوروز ہو تو عید ہو یہاں

رنج کو اُنکے سمجھے مایۂ غم
وہاں اگر سوگ ہو تو یہاں ماتم

بھول جائے سب اپنی قدرِ جلیل
دیکھ کر بھائیوں کو خوار و ذلیل

جب پڑے اُنپہ گردشِ افلاک
اپنی آسائشوں پہ ڈالدے خاک

بیٹھے بے فکر کیا ہو ہموطنو
اُٹھو اہلِ وطن کے دوست بنو

مرد ہو تو کسی کے کام آؤ
ورنہ کھاؤ پیو چلے جاؤ

جب کوئی زندگی کا لطف اٹھاؤ
دل کو دُکھے بھائیوں کے یاد دلاؤ

پہنو جب کوئی عمدہ تم پوشاک
کرو دامن سے تا گریباں چاک

کھانا کھاؤ تو جی میں تم شرماؤ
ٹھنڈا پانی پیو تو اشک بہاؤ

کتنے بھائی تمھارے ہیں نادار
زندگی سے ہے جن کا دل بیزار

نوکروں کی تمھارے جو ہے غذا
اُنکو وہ خواب میں نہیں ملتا

جیسے تم جوتیوں سے پھرتے ہو
وہاں میسر نہیں وہ اوڑھنے کو

کھاؤ تو پہلے لو خبر اُن کی
جن پہ بپتا ہے نیستی کی پڑی

پہنو تو پہلے بھائیونکو پہناؤ
کہ ہے اُترن تمھاری جنکا بناؤ

ایک ڈالی کی سب ہیں برگ و ثمر
ہے کوئی اُنمیں خشک اور کوئی تر

سب کو ہے ایک اصل سے پیوند
کوئی آزردہ ہے کوئی خرسند

مقبلو مدبروں کو یاد کرو
خوش رہو غمزدونکو شاد کرو

جاگنے والو غافلوں کو جگاؤ
تیرنے والو ڈوبتوں کو تراؤ

ہیں ملے تمکو چشم و گوش اگر
لو جو لیجائے کور و کر کی خبر

تم اگر ہاتھ پانو رکھتے ہو
لنگڑے لولوں کو کچھ سہارا دو

تندرستی کا شکر کیا ہے بتاؤ
رنج بیمار بھائیوں کا بٹاؤ

تم اگر چاہتے ہو ملک کی خیر
نہ کسی ہموطن کو سمجھو غیر

ہو مسلمان اِس میں یا ہندو
بودھ مذہب ہو یا کہ ہو برہمو

جعفری ہووے یا کہ ہو حنفی
جینی مت ہووے یا ہو بشنوی

سب کو میٹھی نگاہ سے دیکھو
سمجھو آنکھوں کی پتلیاں سب کو

ملک ہیں اتفاق سے آزاد — شہر ہیں اتفاق سے آباد
ہند میں اتفاق ہوتا اگر — کھاتے غیروں کی ٹھوکریں کیونکر
قوم جب اتفاق کھو بیٹھی — اپنی پونجی سے ہاتھ دھو بیٹھی
ایک کا ایک ہو گیا بدخواہ — لگی غیروں کی پڑنے تم پہ نگاہ
پھر گئے بھائیوں سے جب بھائی — جو نہ آنی تھی وہ بلا آئی
پاؤں اقبال کے اکھڑنے لگے — ملک پر سب کے ہاتھ پڑنے لگے
کبھی تورانیوں نے گھر لوٹا — کبھی دُرّانیوں نے زر لوٹا
کبھی نادر نے قتلِ عام کیا — کبھی محمود نے غلام کیا
سب سے آخر کو لے گئی بازی — ایک شائستہ قوم مغرب کی
یہ بھی تم پہ خدا کا تھا انعام — کہ پڑا تم کو ایسی قوم سے کام
ورنہ دم مارنے نہ پاتے تم — پڑتی جو سر پہ وہ اٹھاتے تم
ملک روندے گئے ہیں پیروں سے — چین کس کو ملا ہے غیروں سے

قوم سے جو تمہارے ہیں برتاؤ — سوچو اے میرے پیارو اور شرماؤ
اہل دولت کو ہے یہ استغنا — کہ نہیں بھائیوں کی کچھ پروا
شہر میں قحط کی دہائی ہے — جان عالم لبوں پہ آئی ہے
بھوک میں ہر کوئی نڈھال پڑا — موت کی مانگتا ہے کوئی دعا

بجتے اک گھر میں بلبلاتے ہیں — رو کے ماں باپ کو رلاتے ہیں
کوئی پھرتا ہے مانگتا در در — ہے کہیں پیٹ سے بندھا پتھر
پر جو ہیں اُمیں صاحبِ مقدور — اُنکی گنتی کے ہونگے ایسے غیور
کہ جنھیں بھائیوں کا غم ہوگا — اپنی راحت کا دھیان کم ہوگا
جتنے دیکھوگے پاؤگے بے درد — دل کے نامرد اور نام کے مرد
عیش میں جنکے کٹتے ہیں اوقات — عید ہے دن تو شبرات ہے رات
قوم مرتی ہے بھوک سے تو مرے — کام اُنھیں اپنے حلوے مانڈے سے
ان کو اب تک خبر نہیں اصلا — شہر میں بھاؤ کیا ہے غلہ کا
غلہ ارزاں ہے یا اندنوں کہ گراں — کال ہے شہر میں پڑا کہ سماں
کال کیا شے ہے کسکو کہتے ہیں بھوک — بھوک میں کیونکہ مرتے ہیں مفلوک
سیر بھوکے کی قدر کیا سمجھے — اُسکے نزدیک سب ہیں پیٹ بھرے

اہلِ دولت کا سن چکے تم حال — اب سنو روئیداد اہلِ کمال
فاضلوں کو ہے فاضلوں سے عناد — پنڈتوں میں پڑے ہوئے ہیں فساد
ہے طبیبوں میں نوک جھوک سدا — ایک سے ایک کا ہے تھوک جدا
رہتے یوں اہلِ علم ہیں اس طرح — پہلوانوں میں لاگ ہو جس طرح
عیدو والوں کا ہے اگر پٹھا — شیخو والوں میں جا نہیں سکتا

عیدو والے اور شیخو والے پہلوانوں کے دو مقابل گروہ دلی میں تھے جنمیں سے ایک سرگروہ اور استاد کا نام عیدو اور دوسرے کا شیخو تھا ۱۲

شاعروں میں بھی ہے یہی تکرار
خوشنویسوں کو ہے یہی آزار

لاکھ نیکیوں کا کیوں نہو اک نیک
دیکھ سکتا نہیں ہے ایک کو ایک

اسپہ طرہ یہ ہے کہ اہل ہنر
دور سمجھے ہوئے ہیں اپنا گھر

ملی اک گانٹھ جس کو ہلدی کی
اُس نے سمجھا کہ میں ہوں پنساری

نسخہ اک طب کا جس کو آتا ہے
سگے بھائی سے وہ چھپاتا ہے

جس کو آتا ہے پھونکنا کشتہ
ہے ہماری طرف سے وہ گونگا

جس کو ہے کچھ رمل میں معلومات
وہ نہیں کرتا سیدھے مونہہ سے بات

باپ بھائی ہو یا کہ ہو بیٹا
بھید پاتا نہیں منجّم کا

کام کندلے کا جسکو ہے معلوم
ہے زمانہ میں اُسکے بخل کی دھوم

الغرض جسکے پاس ہے کچھ چیز
جان سے بھی سوا ہے اُسکو عزیز

قوم پر انکا کچھ نہیں احسان
ان کا ہونا نہ ہونا ہے یکسان

سب کمالات اور ہنر ان کے
قبر میں ان کے ساتھ جائینگے

قوم کیا کہہ کے ان کو روئے گی
نام پر کیونکہ جان کھوئے گی

تربیت یافتہ ہیں جو یہاں کے
خواہ بی اے ہوں اسمیں یا ایم اے

بھرتے حبِّ وطن کا گو دم ہیں
پر محبِّ وطن بہت کم ہیں

قوم کو انسے جو امیدیں تھیں
اب جو دیکھا تو سب غلط نکلیں

ہے سر مع انکی اور جو گرفی
سات پردوں میں منہ دئیے ہے پڑی

بند اُس قفل میں ہے علم اِن کا | جس کی کنجی کا کچھ نہیں ہے پتا
لیتے ہیں اپنے دل ہی دل میں مزے | گویا گونگے کا گُڑ ہیں کھائے ہوئے
کرتے پھرتے ہیں سیر گل تنہا | کوئی پاس اُنکے جا نہیں سکتا
اہلِ انصاف شرم کی جا ہے | گر نہیں بخل یہ تو پھر کیا ہے
تمنے دیکھا ہے جو وہ سب کو دکھاؤ | تمنے چکھا ہے جو وہ سب کو چکھاؤ
یہ جو دولت تمھارے پاس ہے آج | ہم وطن اِسکے ہیں بہت محتاج
مُنہ کو ایک اک تمھارے ہے تکتا | کہ نکلتا ہے مُنہ سے آپ کے کیا
آپ شائستہ ہیں تو اپنے لئے | کچھ سلوک اپنی قوم سے بھی کیجئے
میز کرسی اگر لگاتے ہیں آپ | قوم سے پوچھئے تو پن ہے نہ پاپ
مُنڈا جوتا اگر آپ کو ہے پسند | قوم کو اِس سے فائدہ نہ گزند
قوم پر کرتے ہو اگر احسان | تو دکھاؤ کچھ اپنا جوشِ نہاں
کچھ دلوں عیش میں خلل ڈالو | پیٹ میں جو ہے سب اُگل ڈالو
علم کو کر دو کوبکو ارزاں | ہند کو کر دکھاؤ انگلستان
سنتے ہو سامعین با تمکین | سنتے ہو حاضرینِ صدر نشین
جو ہیں دُنیا میں قوم کے ہمدرد | بندۂ قوم اُنکے ہیں زن و مرد
باپ کی ہے دعا یہ بہر پسر | قوم کی میں بناؤں اِسکو سپر
ماں خدا سے یہ مانگتی ہے مراد | قوم پر سے نثار ہو اولاد

بھائی آپسمیں کرتے ہیں پیماں
تو اگر مال دے تو ہیں دوں جان

اہل ہمت کما کے لاتے ہیں
ہموطن فائدے اٹھاتے ہیں

کہیں ہوتے ہیں مدرسے جاری
دخل اور خرچ جنکے ہیں بھاری

اور کہیں ہوتے ہیں کالج قائم
مبحث حکمت وادب قائم

نت نئے کھلتے ہیں دوا خانے
بنتے ہیں سیکڑوں شفاخانے

ملک میں جو مرض ہیں عالمگیر
قوم پر ان کی فرض ہے تدبیر

ہیں سدا اس ادھیڑبن میں طبیب
کہ کوئی نسخہ ہاتھ آئے عجیب

قوم کو پہنچے منفعت جس سے
ملک میں پھیلیں فائدے جس کے

رسم بد کا اثر جہاں پایا
حملہ پر حملہ اس پہ ہونے لگا

کہیں مجلس میں ہوتی ہے تقریر
کہیں مضمون ہوتے ہیں تحریر

ایک ناٹک بنا کے لاتا ہے
دوسرا اس کو کر دکھاتا ہے

لاکھ تدبیریں جی سے جوڑتے ہیں
آخر اسکو مٹا کے چھوڑتے ہیں

قوم کی خاطر انکے ہیں سب کام
خواہ اس میں سفر ہو خواہ مقام

سیکڑوں گلرخ اور مہ پارے
لاڈلے ماں کے باپ کے پیارے

جان اپنی لئے ہتیلی پر
کرتے پھرتے ہیں بحر و بر کے سفر

شوق یہ ہے کہ جان جائے تو جائے
پر کوئی بات کام کی ہاتھ آئے

جس سے مشکل ہو کوئی قوم کی حل
ملک کا اٹکا کوئی کام نکل

کھپ گئے کتنے بن کے جھاڑوں میں | مر گئے سیکڑوں پہاڑوں میں
لکھے جب تک جئے سفر نامے | چل دئے ہاتھ میں قلم تھامے
گو سفر میں اٹھائے رنج کمال | کر دیا پر وطن کو اپنے نہال
ہیں اب اُن کے گواہ حُبِّ وطن | در و دیوار پیرس و لنڈن
کہئے دُنیا کا جس کو باغِ جنان | ہے فرانس آج یا ہے انگلستان
کام ہیں سب بشر کے ہموطنو | تم سے بھی ہو سکیں جو مرد بنو
چھوڑ دو افسردگی کو جوش میں آؤ | بس بہت سوئے اُٹھو ہوش میں آؤ
قافلے تم سے بڑھ گئے کوسوں | رہے جاتے ہو سب سے پیچھے کیوں
قافلوں سے اگر ملا چاہو | مُلک اور قوم کا بھلا چاہو
گر رہا چاہتے ہو عزت سے | بھائیوں کو نکالو ذلت سے
اُنکی عزت تمھاری عزت ہے | اُنکی ذلت تمھاری ذلت ہے
قوم کا مبتذل ہے جو انسان | بے حقیقت ہے گرچہ ہے سلطان
قوم دُنیا میں جسکی ہے ممتاز | ہے فقیری میں بھی وہ با اعزاز
عزتِ قوم چاہتے ہو اگر | جا کے پھیلاؤ اُنمیں علم و ہنر
ذات کا فخر اور نسب کا غرور | اُٹھ گئے اب جہاں سے یہ دستور
اب نہ سید کا افتخار صحیح | نہ برہمن کو (شُدر) پر ترجیح
ہوئی ترکی تمام خانوں کی | کٹ گئی جڑ سے خاندانوں کی

قوم کی عزت اب ہنر سے ہے | علم سے یا کہ سیم و زر سے ہے
کوئی دن میں وہ دور آئے گا | بے ہنر بھیک تک نہ پائے گا
نہ رہیں گے سدا یہی دن رات | یاد رکھنا ہماری آج کی بات
گر نہیں سنتے قول حالی کا | پھر نہ کہنا کہ کوئی کہتا تھا

مناظرہ رحم و انصاف

مرتبہ ۱۸۷۴ء

ایک دن رحم نے انصاف سے جا کر پوچھا | کیا سبب ہے کہ ترا نام ہے دنیا میں بڑا
نیکنامی سے تری سخت تحیر ہے ہمیں | ہاں سنیں ہم بھی کہ ہے کونسی خوبی تجھ میں
دوستی سے تجھے کچھ دوستوں کی کام نہیں | آنکھ میں تیری مروت کا کہیں نام نہیں
اپنے بیگانے ہیں سب تیری نظر میں یکساں | دوست کو فائدہ ہے تجھ سے نہ دشمن کو زیاں
قتل انسان ہمیشہ سے ہی عادت تیری | سیکڑوں چڑھ گئے سولی پہ بدولت تیری
جان و مال سے نمرود کو کھویا تو نے | اور فرعون کو دریا میں ڈبویا تو نے
فوج راون کی لڑائی میں کھپائی کس نے | آگ لنکا میں سوا تیرے لگائی کس نے
قید خانوں میں جہاں کے ہے بڑا غل تیرا | جتنے قیدی ہیں تری ہی جان کو دیتے ہیں دعا
تیرے فتوے پہ کروڑوں ہوئے سر تن سے جدا | اور ترے حکم سے لاکھوں ہوئے مسکن سے جدا
لطف ہے تیری طبیعت میں نہ کچھ جوش غضب | تجھکو خردوں پہ ہے شفقت نہ بزرگوں کا ادب

کانپتے آتے ہیں محفل میں تری شاہ و گدا / تجھ سے تھراتے ہیں احباب ہوں یا ہوں عدا
بے ایمان بے ایمان کا ساتھی ہے نہ ایمان کا دوست / یار ہندو کا ہے تو اور نہ مسلمان کا دوست
ہیں جہاں تیرے مذہب میں کسی کی امداد / تیرے نزدیک برابر ہے غلام اور آزاد
دم میں تو صحبت دیرینہ بھلا دیتا ہے / دوستی خاک میں ہر سو تری ملا دیتا ہے
طور برتاؤ کا ہے سب سے نرالا تیرا / تجھ سا [illegible] کوئی دنیا میں نہ دیکھا نہ سنا
ہٹ پہ تو اپنی جہاں نام خدا آ جائے / باپ کے ہاتھ سے بیٹے کا گلا کٹوائے
ایسی کرتوت پہ یہ عدل کے دعوے ہیں تجھے / کہ بنا امن کی دنیا میں ہے قائم تجھ سے
ایک تعجب ہے کہ بیگانے ہیں دل تجھ سے فگار / ایک میں ہوں کہ نہیں غیر بھی مجھ سے بیزار
رحم ہے نام مرا لطف و کرم کام مرا / فیض ویرانہ و آباد میں ہے عام مرا
حق کے الطاف و عنایت کا بہانہ ہوں میں / خلق کی کام روائی میں یگانہ ہوں میں
میری سرکار میں ہو جاتے ہیں سب عذر قبول / میرے دربار سے جاتے نہیں مجرم بھی ملول
لطف ہے عام سدا اہل خطا پر میرا / ہاتھ اٹھتا نہیں خونی کی سزا پر میرا
غم مرے سامنے شادی سے بدل جاتے ہیں / ہنستے جاتے ہیں جو یہاں روتے ہوئے آتے ہیں
عجز کی شرم و مروت مرے دربار کے ہیں / بخشش و جود ملازم مری سرکار کے ہیں
موج زن ہوتا ہے جب فیض کا میرے قلزم / یاس ہو جاتی ہے انبوہ میں امید کے گم
مصر میں قید سے یوسف کو نکالا میں نے / اور ایوب کے بیڑے کو سنبھالا میں نے
میں ہر اک درد میں ہو جاتا ہوں انساں کے شریک / میں نہ ہوتا تو نہ دیتا کوئی محتاج کو بھیک

میں ہی دیتا ہوں یتیمونکو دلاسا جاکر
میں ہی لیتا ہوں خبر حال مسکینوں کی تم

میرے ہی دم سے ہے آدم کا نمونہ باقی
میرے ہی دم سے ہے عالم میں نمودِ بشری

ورنہ انسان کہ ہے جرم و خطا کا پتلا
میں نہ ہوتا تو بھلا اُسکا ٹھکانا کیا تھا

بُرا فرعون کا جب غرق فنا ہوتا تھا
میں وہاں ساحل دریا پہ کھڑا روتا تھا

تجھسے ہوئے اگر اے عدل جہاں میں دو چار
لُٹ گئی ہوتی کبھی کی مرے گلشن کی بہار

جب سُنا رحم سے یہ ولولہ انگیز خطاب
کہا انصاف نے ہو حکم تو دوں اسکا جواب

آپکی نیکیوں سے کسکو ہے انکار یہاں
کیونکہ ہے ذکر جمیل آپ کا مشہور جہاں

مگر اے رحم بُرا ماننے کی بات نہیں
نیکیاں آپکو کردیں نہ یہ بدنام کہیں

ہمنے مانا کہ مُروت بھی بڑی ہے ایک چیز
پر مروت کے لئے شرط ہے اے دوست تمیز

کھو دیا جسنے مُروت کو یہاں عام کیا
اُسکو رسوا کیا اور آپ کو بدنام کیا

بول میٹھے نہیں آفت کی یہ پرکالے ہیں
اس مروت نے تری سیکڑوں گھر گھالے ہیں

دوستونکو ہے اشارا کہ کسی سے نہ ڈرو
دشمنوں سے یہ مدارا ہے کہ جو چاہو سو کرو

چور چوری سے نہیں ڈرتے بدولت تیری
لئے پھرتی ہے اُچکّوں کو حمایت تیری

جتنے قزّاق ہیں یہاں اُن کا مددگار ہے تو
اور سب ڈاکوؤں کا قافلہ سالار ہے تو

ہوا جس ملک میں سرکار کا جاری فرمان
اُس کو سمجھو کہ ہوا اب کوئی دن میں ویران

باپ کا حکم نہیں مانتے فرزند رشید
اور نوکر نہیں دیتے کبھی آقا کو رسید

لڑکے اُستاد کی گھڑکی کو نہیں مانتے کچھ
بدمعاش اہل پولس کو نہیں گردانتے کچھ

اہلکاروں کا کچہری میں جو دیکھو بیوہار
سمجھو دیوان عدالت کو کہ ہے اک بازار

پیٹ پکڑے ہوئے ہو وہاں پہ ہیں حاجت والے
اور منہ کھولے ہوئے بیٹھے عدالت والے

نہیں حاکم کی مروت سے اُنھیں خوف مآل
"بول کیا لایا ہے" اظہار کا پہلا ہے سوال

ہر طرف بیچ میں دلال ہیں کچھ چھوٹ رہے
دونوں ہاتھوں سے غرضمندوں کو ہیں لوٹ رہے

یوں تو اے رحم تری ذات میں جوہر ہیں بہت
خیر تھوڑی ہے مگر آپ میں اور شر ہیں بہت

ایک رہزن کو جو تو قید سے چھڑواتا ہے
بیسیوں قافلوں کو جان کے لٹواتا ہے

باپ کو ہونے نہیں دیتا جو بیٹے سے خفا
بے ادب کہنا اُسے چاہتا ہے تو گویا

مار پر اُٹھنے نہیں دیتا جو اُستاد کا ہاتھ
یہ سلوک اچھے نہیں ہیں ترے شاگرد کے ساتھ

میٹھی باتوں میں تری ہی زہر ہلاہل ہے بھرا
تیرا آغاز تو اچھا ہے یہ انجام برا

کاش تو بھی ہے مگر قانون پہ چلتا اے رحم
اپنے اندازہ سے باہر نہ نکلتا اے رحم

بے مروت ہوں اگر میں تو یہ ہے جوہر میرا
جسکو تو عیب سمجھتا ہے وہ زیور ہے مرا

استواری ہی جو سختی ہو وہ طبیعت ہے مری
اور عدالت جسے کہتے ہیں وہ عادت ہے مری

معتدل نام ہے جسکا وہ مزاج اپنا ہے
بھاگ اُس ملک سے جس ملک میں راج اپنا ہے

میں ہی تھا جسنے کہ ویرانوں کو آباد کیا
میں ہی تھا جسنے کہ اخباروں کو آزاد کیا

حکم سے میرے ہوئی کونسلوں کی ماموری
رائے سے میرے بنیں سلطنتیں جمہوری

کھو دیا میں نے نشاں سلطنت شخصی کا
اور دُنیا سے غلامی کو مٹا کر چھوڑا

مجلسیں سیکڑوں ملکوں میں بٹھائیں میں نے
راہیں اغلاط سے بچنے کی سجھائیں میں نے

حکم و قانون کسی گھر میں مقید نہ رہا
سلطنت نام ہے اب قوم کی پنچایت کا

جس طرح ظلم کا اے رحم روادار نہیں
میں اسی طرح سے تیرا بھی مددگار نہیں

سر ذرا جس نے اٹھایا اسے کھو کر چھوڑا
باپ کی ناؤ کو دریا میں ڈبو کر چھوڑا

حکم عالم میں مرا شرق سے تا غرب ہے عام
جس نے مانا نہ مرا حکم رہا وہ ناکام

رائے کرتی نہیں میری کسی حالت میں خطا
تیر لگتا ہے مرا جا کے نشانہ پہ سدا

میں دکھا دیتا سیاست کی گر اپنی تلوار
چل نہ سکتا کبھی قابیل کا ہابیل پہ وار

کارفرما ہے جہاں میری عدالت اے رحم
دم نہیں مارتی واں تیری مروت اے رحم

واں تعصب کا پتا اور نہ عداوت کا گذر
نہ قرابت کا نشاں اور نہ محبت کا اثر

حکم جاری ہے جدھر دیکھئے آزادی کا
بڑھ کے چلتا ہے وہاں شاہ سے لے تا بہ گدا

کج روی مکر سے کہتی ہے میں آئی تو چل
ٹیڑھے ترچھے جو نکلے بل اک آن میں جاتے ہیں نکل

پاکبازوں کو نہیں عہد میں میرے کھٹکا
جو کنوڈے ہیں وہی مجھ سے کھٹکتے ہیں سدا

سات پردوں میں اگر عیب کسی کا ہے چھپا
نہ ہوا آج تو کل ہوگا سر رسوا

ہیں خطاکار کے دشمن در و دیوار یہاں
بھائی بھائی کے نہیں ہوتے مددگار یہاں

اور اگر عیب سے ہے پاک کسی کا دامن
غم نہیں اس کا ہو گر سارا زمانہ دشمن

نہ رعیت کا اسے خوف نہ کچھ شاہ کا ڈر
نہ اسے چور کا خطرہ نہ اسے ساہ کا ڈر

نہ عدالت میں اسے ڈر کسی فریادی کا
اور نہ کچھ دغدغہ اخباروں کی آزادی کا

جو ہنرمند ہیں وہ لاکے بڑھاتا ہیں ہوں
خوبیاں انکی زمانہ میں جتاتا ہیں عیاں

بے ہنر سو کسی پیرایہ میں یہاں جلوہ نما
عہد میں اسکے ہنرمند نہیں بن سکتا

یہاں نہ استاد کو شاگرد کی اصلاح سے عار
اور نہ شاگرد کو اپنی غلطی پر اصرار

سنتے جاہل سے ہیں گر فائدہ کی بات حکیم
مستفید ونکی طرح کرتے ہیں اسکو تسلیم

نوکر آقا کی جتاتا ہے اگر کوئی خطا
بن نہیں آتا کچھ آقا سے ندامت کے سوا

کرنے پاتے نہیں گاہک پہ دکاندار ستم
جنس یہاں تل نہیں سکتی کبھی مقدار سے کم

بیل بوجھ نہیں آرکسی کی کھاتا
شدّ منے گھوڑے پہ چابک نہیں اٹھنے پاتا

اوچھے اونچوں سے یہاں لیتے ہیں خدمت پوری
اور مزدور انکو دیتے ہیں کھری مزدوری

محنتی جتنے ہیں یہاں خرم و دلشاد ہیں سب
خوار پھرتے ہیں وہی جو کہ ہیں آرام طلب

اہل مقدور کو کھٹکا نہیں کچھ چوروں سے
زورمند آنکھ ملاتے نہیں کمزوروں سے

خوب کو خوب سمجھتے ہیں یہاں زشت کو زشت
ناپ سے کم نہیں لگتی کہیں تعمیر میں خشت

جھوٹے سچّونکا نہیں بھیس بدلنے پاتے
دام بازار میں کھوٹے نہیں چلنے پاتے

جسطرف جائیے یہاں امن و امان کا ہے عمل
فتنہ سرحد سے میری جاتا ہے کترا کے نکل

جس قلمرو میں کہ جاری نہیں میرا فرمان
ظلم کے ہاتھ میں وہاں حکم و عمل کی ہے عنان

دوست اللہ کے ہیں ٹھیرتے معتوب[1] وہاں
اور مسیحائے زماں ہوتے ہیں مصلوب وہاں

[1] صحیح لفظ معاتب ہے مگر اردو میں بجائے معاتب کے معتوب بولا جاتا ہے جیسے بجائے مُعفو کے معاف
لیں اردو میں یہی صحیح ہے اور یہی فصیح ۱۲

نیک تر زندہیں ماں باپ کے جو حلقہ بگوش
رام لچھمن کی طرح پھرتے ہیں وہاں خانہ بدوش

مان کھاتی ہیں جنھیں قوم نے اولاد رسول
قوم کے ہاتھ سے ہوتے ہیں وہ پیاسے مقتول

زکریا کی طرح جو ہیں گئے خدا کے پیارے
اُنکے سر پر ہیں سدا ظلم کے چلتے آرے

زہر سقراط سے ناصح کو پلا دیتے ہیں
اور یوسف سے برادر کو دغا دیتے ہیں

گفتگو ختم یہ انصاف کی جب آ پہنچی
عقل پر کار قضا کار وہاں جا پہنچی

وہاں جو دیکھا تو ہے دو بھائیوں میں کچھ تکرار
اُدھر ہر اک کو بزرگی یہ ہے اپنی اصرار

رحم ادھر عدل سے کہتا ہے کہ تو ہے کیا چیز
اور اُدھر رحم کو ہے عدل سمجھتا ناچیز

عقل نے دونو کی تقریر سُنی سر تا پا
کہہ چکے وہ تو یہ سنجیدہ جواب اُنکو دیا

خیر اک کان ہو تم جسکے ہو جوہر دونو
ایک سے ایک ہو تم بہتر و برتر دونو

صاف کہتی ہوں سُن اے رحم نہیں اسمیں خلاف
تو ہے اک قالب بے روح نہو گر انصاف

اور سُن اے عدل نہیں اسمیں تکلف سرمو
گر نہو رحم تو اک دیدۂ بے نور ہے تو

دونو تم خلق کی ہو مایۂ آرام و شکیب
گل و شبنم کی طرح ایک سے ہے ایک کو زیب

سرسری فیصلہ تو یہ ہے اگر تم مانو
اور نہیں مانتے گر بات مری تم جانو

ابھی اک نکتہ میں تم دونو کو جھٹلاتی ہوں
لو سنو غور سے میں کہتی ہوں اور جاتی ہوں

فرق اصلا نہیں تم دونو میں لڑتے کیوں ہو
جبکہ تم ایک ہو آپس میں جھگڑتے کیوں ہو

وہی اک شے ہے کہیں عدل کہیں نام اُس کا
کہیں مظلوم کی فریاد رسی کام اُس کا

رحم کہلائی جو مظلوم کی فریاد سُنے
عدل ٹھہری جو سزا ظالم بے رحم کو دی

وہی شفقت ہے کہ اُستاد کی ہے مار کبھی
اور ماں باپ کی ہو جاتی ہے چمکار کبھی

وہی شفقت ہے کہ ہے گھور کہیں پیار کہیں
وہی جلوہ ہے کہ ہے نور کہیں نار کہیں

کہیں وہ مہر کی صورت میں عیاں ہوتی ہے
اور کہیں قہر کے پردہ میں نہاں ہوتی ہے

کہیں وہ قند مکرر کا مزا دیتی ہے
اور کہیں چاشنی موت چکھا دیتی ہے

یہی شفقت تھی کہ جب اُس نے سجھایا انجام
شیخ فاروق نے بیٹے کا کیا کام تمام

یہی شفقت تھی کہ جب ہو گیا بیجان پسر
اک برچھی سی لگی باپ کے دل میں آکر

یہی شفقت ہے کہ زخمی کہیں کرواتی ہے
یہی شفقت ہے کہ پھر زخم کو بھرواتی ہے

رحم اور عدل سے جب عقل نے تقریر یہ کی
اور دی ساتھ ہی حالی نے شہادت اُسکی

رہی باقی نہ فریقین کو جائے انکار
چار ناچار کیا یکجہتی کا اقرار

بڑھ کے پھر دونو ملے ایسے کہ تھے گویا ایک
ملکے ہو جائیں کہیں جیسے کہ دو دریا ایک

مسدس موسومہ بہ ننگِ خدمت

مرتبہ ۱۸۸۱ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یادِ ایام کہ سبز رنگ تھی تصویرِ جہاں
گلِ خود رو سے لبا تھا چمنِ کون و مکاں
دستِ مشاطہ نہ تھا محرمِ زلفِ دوراں
چار سو حسنِ خداداد کا سکہ تھا رواں

وضعِ عالم میں نہ آیا تھا تغیر اب تک
خطِ قدرت کی وہی شان تھی اور نوکِ پلک

طفلِ معصوم کی مانند تھا یہ عالم پیر
ملکِ فطرت میں نہ تھی سلطنتِ نفسِ شریر
تھے ہم اک صنعتِ بے چون و چرا کی تصویر
طبع نے مملکتِ روح نہ کی تھی تسخیر

خوابِ غفلت کی گھٹا دل پہ نہ چھائی تھی بہت
دن چھپا تھا ابھی اور رات نہ آئی تھی بہت

مال و دولت کی ہوس میں نہ گرفتار تھے ہم
آپ ہی اپنے ہر اک رنج میں غمخوار تھے ہم
نہ بلندی کے نہ رفعت کے طلبگار تھے ہم
مددِ غیر سے اصلا نہ خبردار تھے ہم

جو سبق آئے تھے اُستادِ ازل سے لیکر
وہی ہر منزل و ہر راہ میں تھا یاں رہبر

اصل سے دور بہت ہونے نہ پائے تھے ابھی
دن جدائی کے نصیبوں نے دکھائے تھے ابھی
دیس سے چھوٹ کے پردیس میں آئے تھے ابھی
ڈال سے توڑ کے بازار میں لائے تھے ابھی

عرصہ گذرا تھا مسافر کو نہ غربت میں بہت
جی لگا تھا نہ ابھی غیروں کی صحبت میں بہت

صاف آئینۂ دل میں نظر آتا تھا کوئی
جی وہ جی تھا کہ بس جی کو لبھاتا تھا کوئی
روبرو جس کے جگہ دل میں نہ پاتا تھا کوئی
آنکھ وہ آنکھ تھی جس میں نہ سماتا تھا کوئی

روح تھی بادۂ دوشینہ سے اپنی بدست
تھا ترقی پہ ابھی نشۂ صہبائے الست

اسقدر عمرِ دو روزہ پہ نہ مغرور تھے ہم
کسی محنت سے مشقت سے نہ معذور تھے ہم
عیش و عشرت کے طلسموں سے بہت دور تھے ہم
آپ ہی راج تھے اور آپ ہی مزدور تھے ہم

تھے غلام آپ ہی اور آپ ہی آقا اپنے
خود ہی بیمار تھے اور خود ہی مسیحا اپنے

خود نمائی و خود آرائی کا کچھ دھیان نہ تھا
گھر میں سامان نہ تھا در پہ نگہبان نہ تھا
کبر و پندار کا جاری کہیں فرمان نہ تھا
جی میں فرعون و ہاماں بننے کا ارمان نہ تھا

آکے دنیا میں بہت پاؤں نہ پھیلاتے تھے

اِک مسافر کی طرح رہ کے چلے جاتے تھے

خاک کو نرم بچھونوں سے سوا جانتے تھے
روکھی کی چھاؤں کو ہم ظلِ ہما جانتے تھے
مل گیا جو۔ اُسے انعامِ خدا جانتے تھے
نہ بُرا جانتے تھے اور نہ بھلا جانتے تھے

طاعتِ نفسِ فرمایہ سے آزاد تھے ہم
ساگ اور پات پہ گذران تھی اور شاد تھے ہم

تھی سفر میں نہ سواری کی ضرورت زنہار
طے انھیں قدموں سے کرتے تھے ہر اک راہگذار
کھانے پینے کو نہ تھے ظرفِ بلوریں درکار
انھیں ہاتھوں پہ خور و نوش کا تھا اپنی مدار

شرم آتی تھی نہ ہل جوتنے کھانے سے ہمیں
عیب لگتا تھا نہ کچھ ڈھور چرانے سے ہمیں

تھک کے محنت سے جو ہم بھوک میں کھاتے تھے طعام
دیتے تھے کلّہ بریاں کا مزا گندمِ خام
دستِ بازو کی بدولت تھا ہمیں عیشِ مدام
خوب کٹتے تھے مشقت میں ہمارے ایام

پیٹ کے مارے کہیں سر نہ جھکاتے ہم تھے
آبرو نفس کی خاطر نہ گنواتے ہم تھے

کرنے پڑتے تھے ضیافت میں نہ بیجا سامان
نان جو کھلاتے تھے خوش ہو کے ہمارے مہمان
تھا بناوٹ کا پتا اور نہ تکلف کا نشان
ایک قانون کے پابند تھے دل اور زبان

طبل ظاہر کی نمائش نہ بجتے تھے وہاں
جو برتتے تھے زیادہ نہ گرجتے تھے وہاں

آمدِ موسمِ گل میں تھا عجب لطفِ ہوا
چشمہ نزدیک تھا منبع سے تو تھا عینِ صفا
آندھیوں نے کئے انجام کو طوفاں برپا
جتنا بڑھتا گیا ہوتا گیا پانی گدلا

مٹتے مٹتے اثرِ صدق و صفا کچھ نہ رہا
آخری دور میں تلچھٹ کے سوا کچھ نہ رہا

اے جہاں اے رتیں تازہ بدلنے والے
موم کی طرح ہر اک سانچہ میں ڈھلنے والے
نت نئی چال نئی ڈھال سے چلنے والے
روز اک سانگ نیا بھر کے نکلنے والے

آج کچھ اور ہے کل اور ہی کچھ شان تری
ایک سے ایک نہیں ملتی کہیں آن تری

اک زمانہ تھا کہ ہم وزن تھے سب خُرد و کلاں
ایک اسلوب پہ تھی گردشِ پرکارِ زماں
لہلہاتی تھی بنی نوع کی کھیتی یکساں
شہر و ویرانہ و آباد میں تھا ایک سماں

قدر و قیمت میں نہ تھا فرق کسی کی اصلا
کوئی پلہ تھا ترازو کا نہ اونچا نیچا

ایک سے ایک نہ کم تھا نہ زیادہ سرِ مو
جا جبیں لیکے کسی در پہ گرے تھے نہ کبھو
سب تھے ہم سر اک ترائی کے درختِ خودرو
نہ زمیں بوس کی عادت تھی نہ تسلیم کی خو

دستِ قدرت کے سوا سر پہ کوئی ہات نہ تھا
ایک قبلہ تھا کوئی قبلۂ حاجات نہ تھا

ناگہاں جبر و تغلب کا اک اٹھا طوفاں
جس کے صدمے سے ہوئی زیر و زبر نظمِ جہاں

اقویا ہاتھ ضعیفوں پہ لگے کرنے رواں
بکریوں کو نہ رہی بھیڑیوں سے جا اماں

تیز دنداں ہوئے جنگل میں غزالوں پہ پلنگ
مچھلیوں پہ لگے منہ کھولنے دریا میں نہنگ

حق نے شایستہ ہر باب بنایا تھا ہمیں
ایک ہی دام میں پھنسنا نہ سکھایا تھا ہمیں
رستہ ہر کوچہ و منزل کا بتایا تھا ہمیں
زینہ ہر بام پہ چڑھنے کا دکھایا تھا ہمیں

ایسا کچھ بادۂ غفلت نے کیا متوالا
طوق خدمت کا لیا اور گلے میں ڈالا

در مخلوق کو ہم ملجا و ماوے سمجھے
طاعت خلق کو اعزاز کا تمغا سمجھے
پیشہ و حرفہ کو اجلاف کا شیوہ سمجھے
ننگ خدمت کو شرافت کا تقاضا سمجھے

عیب گننے لگے نجاری و حدادی کو
بیچتے پھرنے لگے جوہر آزادی کو

نوکری ٹھیری ہی لے دیکے اب اوقات اپنی
پیشہ سمجھے تھے جسے ہو گئی وہ ذات اپنی
اب نہ دن اپنا رہا اور نہ رہی رات اپنی
جا پڑی غیر کے ہاتھوں میں ہر اک بات اپنی

ہاتھ اپنے دل آزاد سے ہم دھو بیٹھے
ایک دولت تھی ہماری سو اُسے کھو بیٹھے

کرتے ہیں قصد تجارت تو گرہ میں نہیں دام
دستکاری کو سمجھتے ہیں کہ ہے کار عوام
نہیں ہل جوتنے میں راحت و آرام کا نام
بنتے پھرتے ہیں اسی واسطے اک اک کے غلام

نظر آتی نہیں مطلب کی کوئی گھات ہمیں
وہ پڑا نقشہ کہ ہر چال میں ہے مات ہمیں

ایک آقا ہو تو خدمت کا ہو حق اسکی ادا
زید کی راے جدا عمرو کی تجویز جدا
ایک افسر ہو تو حکم اس کا کوئی لائے بجا
ایک بندہ کو بھگتنے کئی پڑتے ہیں خدا

بھاگو خدمت سے کہ اچھا نہیں انجام اس کا
جس کا پتھر کا کلیجہ ہو وہ لے نام اس کا

کہیں بہتان کا اندیشہ کہیں تہمت گناہ
جھیلنے روز وہ افسر کہ نہو جنسے نباہ
کہیں غماز کا دھڑکا کہیں خوف بدخواہ
خدمت اک بار گران ہے کہ عیاذاً باللہ

پڑے پتھر پہ تو پتھر میں گرانی نہ رہے
گزرے دریا پہ تو دریا میں روانی نہ رہے

آتی ہیں نوکروں کے سر پہ بلائیں اکثر
ماننی پڑتی ہیں ناکردہ خطائیں اکثر
بے سبب اُنپہ گزرتی ہیں جفائیں اکثر
سامنے جاتے ہیں پڑھ پڑھ کے دعائیں اکثر

غیرت آتی جنھیں وہ ٹھیرنے پاتے نہیں یہاں
جو کہ عاقل ہیں کبھی کان ہلاتے نہیں یہاں

لیجئے فرض کہ ہے زید بڑا منصبدار
اور عمرو اسکا ہے اک بندہ فرمانبردار
فرق دونوں میں نہیں اسکے سوا کچھ زنہار
کہ یہ میلا ہے وہ اُجلا یہ پیادہ وہ سوار

ورنہ انصاف سے دیکھو تو ہیں نوکر دونو

قید میں عجز میں ذلت میں برابر دونو

عمرو کرتا ہے اگر اُس کا ادب اور تعظیم
کرنی پڑتی ہے اُسے بھی کہیں جھک کر تسلیم

زید کی جھڑکیوں سے گر ہے دل عمرو دو نیم
جا کے سنتا ہے کہیں یہ بھی الفاظِ سقیم

یا جو احمق اِسے کہنے کا اگر ہے دستور
ڈام فول اُسکو بھی سننا کہیں پڑتا ہے ضرور

رکھتے ہیں حضرتِ انسان جو بڑائی میں قدم
گاہ و خر اِنسے ہیں کیا جانئے کس بات میں کم

مالکوں کے اُنھیں گر جھیلنے پڑتے ہیں ستم
ذلتیں اُنکے لئے بھی ہیں مہیا ہر دم

ننگِ خدمت کی حقیقت کو بشر گر سمجھے
چاکروں کو گدھے اور بیل سے بدتر سمجھے

کھیت سے اپنے بچھڑنے کا ہے گر اُن کو ملال
مُدتیں گذریں کہ لوٹا گیا یہاں عیشِ وصال

نوکری نے جو ہمیں دکھلایا طلسمِ اقبال
چھوڑ کر شہر و وطن کو ہوئے جویائے محال

گھر چھٹا یار چھٹے خویش و یگانہ چھوٹا
ایک ذلت ملی اور سارا زمانہ چھوٹا

اُنکی گردن میں اگر قید کی رسّی ہے پڑی
اپنی بے بال و پری کی بھی کہانی ہے بڑی

تازہ حکموں کی لگی رہتی ہے ہر وقت جھڑی
نہیں خالی کوئی ساعت کوئی پل کوئی گھڑی

مرغِ بے پر کی طرح قیدیٔ صیاد ہیں ہم
کہئے پھر کونسی حجت سے کہ آزاد ہیں ہم

ہوتے ہیں فرط مشقت سے اگر وہ رنجور	مالک انکی نگرانی میں نہیں کرتے قصور
دیکھ لیتے نہیں جب تک کہ ہو روگ سے دور	رکھتے ہیں محنت و تکلیف سے انکو معذور
جانتے ہیں۔ بھلا دھن ہی یہی دولت اپنی	
دم سے وابستہ انھیں کے ہے معیشت اپنی	
اپنی گر جان پہ بنجائے مشقت سے یہاں	نہیں امید کہ گذرے کسی خاطر پہ گراں
مطمئن ہیں کیسے ہی مزدوروں کا دنیا میں سماں	نہ ہوا ایک تو ملکتی نہیں تعمیر مکاں
بھرتے ہیں پیٹ کی یہاں دیتے دہائی لاکھوں	
گر نہیں آپ تو ہیں آپ کے بھائی لاکھوں	
حق کسی کا نہیں۔ ماتحت ہو یا ہو افسر	ایک سے کام لیا ایک کو سونپا دفتر
یہی گھر بدلیاں رہتی ہیں یہاں شام و سحر	فی المثل ایک کرایہ کی دوکاں ہے نوکر
ہے جب تک کسی بنیاد میں آیا نہ خلل	
جب لگی بیٹھنے لی جا کے کہیں اور بدل	
نوکروں سے ہیں بہائم کہیں رتبہ میں سوا	کہ نہیں خدمت ہمجنس کا ان پر دھبا
گائے ہو بیل ہو گھوڑا ہو کہ ہو ہیں گدھا	ایک کا ایک کے تابع کہیں دیکھا نہ سنا
کسی مخلوق کو رتبہ نہ خدا نے بخشا	
جو غلاموں کو شرف عقل رسا نے بخشا	
اس سے بڑھ کر نہیں ذلت کی کوئی شان یہاں	کہ ہو ہمجنس کی ہمجنس کے قبضہ میں عناں

ایک گلہ میں کوئی بھیڑ ہو اور کوئی شبان
نسل آدم میں کوئی ڈھور ہو کوئی انسان

ناتواں بھیڑ ہے کوئی۔ کوئی تنومند بنے
ایک نوکر بنے اور ایک خداوند بنے

ایک ہی تخم سے بیلو بھی ہو شمشاد بھی ہو
ایک ہی اصل سے خسرو بھی ہو فرہاد بھی ہو
ایک ہی ڈار میں آہو بھی ہو صیاد بھی ہو
ایک ہی نسل سے بندہ بھی ہو آزاد بھی ہو

ایک ہی سبزہ جو تازہ بھی ہو خشک بھی ہو
ایک ہی قطرۂ خوں سیم بھی ہو مشک بھی ہو

ایک وہ ہیں کہ نہیں غیر کے فرمانبردار
اپنی ہر بات کے ہر کام کے خود ہیں مختار
نہیں سرکار سے دربار سے انکو سروکار
جس جگہ بیٹھ گئے ہے وہی انکا دربار

گر تونگر ہیں تو دس بیس ہیں اُن کے محکوم
ورنہ خادم ہیں کسی کے نہ کسی کے مخدوم

حکم سے کوئی نہیں انکا بلانے والا
جبر سے کوئی نہیں انکا دبانے والا
بیٹھ جائیں تو نہیں کوئی اُٹھانے والا
سو رہیں جب تو نہیں کوئی جگانے والا

اُٹھ کے چل دیں تو نہیں روکنے والا کوئی
اُلٹے پھر جائیں جو ہو ٹوکنے والا کوئی

ایک وہ ہیں کہ زمانہ کرے انصاف اگر
اور کھل جائیں کمالات بھی انکے سب پر
جوہری جو ہیں وہ سب انکے پرکھ لیں جوہر
کامیابی نہیں انکے لئے اس سے بڑھ کر

کہ سدا قید رہیں مرغِ خوش الحان کی طرح
جا کے بک جائیں کہیں یوسفِ کنعاں کی طرح

دیکھیے لیں جب اُنھیں ہیں علم و ہنر میں یکتا
زور بازو میں بلندیِ نظر میں یکتا
شرفِ ذات میں اور اصل و گہر میں یکتا
الغرض جملہ کمالاتِ بشر میں یکتا
اور پھر اسپہ مدد طالعِ بیدار کی ہو
تب نصیب اُنکو غلامی کسی سرکار کی ہو

ورنہ دنرات پھریں ٹھوکریں کھاتے دردر
جا پلوسی سے دل ایک اک کا لُبھاتے دردر
سندیں چِھپیاں پروانے دکھاتے دردر
ذائقہ نفس کو ذلت کا چکھاتے دردر
تاکہ ذلت سے بسر کرنیکی عادت ہوجائے
نفس جس طرح بنے لائقِ خدمت ہوجائے

کوئی دفتر نہیں اور کوئی کچہری ایسی
سنتے مشرق میں ہیں گر کوئی اسامی خالی
کہ جہاں گذری ہو ایک آدھ عرضی اُنکی
قافلے ہوتے ہیں مغرب سے اُسی دم راہی
برسوں اسپر بھی گذر جاتے ہیں بے نیلِ مرام
کوئی آقا نہیں ملتا کہ بنیں اُس کے غلام

تنگ ہوتے ہیں تو تقدیر کا کرتے ہیں گلا
کبھی سرکار کو کہتے ہیں کہ ہے بے پروا
کبھی ٹھیراتے ہیں گردش کو زمانہ کی بُرا
کبھی فرماتے ہیں یہ ہو کے مشیت سے خفا
وعدہ رزق میں سُنتے تھے کہ ہوتی نہیں دیر

پھر جو نوکر نہیں ہوتے تو یہ ہے کیا اندھیر

جانتے ہیں کہ ہے جس رزق کا ہم سے وعدہ — اُس کا حیلہ نہیں یہاں کوئی غلامی کے سوا
اور دروازے ہوئے بند سب اُن پر گویا — اب فلک سے اُنھیں ملجا نہ زمیں پر ماوا

کام ہوتا کوئی اور اُنسے سرانجام نہیں
جسطرح بیل کو جُتنے کے سوا کام نہیں

جنکے اسلاف نے تھا قوم کا دیکھا اقبال — یاد کرتے ہیں جب اسلاف کا وہ جاہ و جلال
پاتے ہیں اُنکو عنایات سے شاہوں کی نہال — مال و دولت سے اُنھیں دیکھتے ہیں مالا مال

ایک کی ایک سے پاتے ہیں فزوں تر توقیر
کوئی بخشی کوئی دیوان کوئی صدر کبیر

دیکھتے جب ہیں کہ دمساز تھے اُنکے ایام — بادۂ عیش سے لبریز تھا جام اُنکا مدام
کہتے ہیں خدمت سلطان میں ہے اعزاز تمام — اِسلئے ہمنے لیا پیشۂ آبائے کرام

دیکھیں مونھ ڈال کے گر اپنے گریبان میں وہ
عمر برباد کریں پھر نہ اِس ارمان میں وہ

ہنس کی چال حماقت سے چلا جو کوّا — اپنی بھی چال گیا بھول بقول حکما
پیروی کرتے ہیں اسلاف کی اب جو حمقا — وہ نہیں جانتے رنگ آج زمانہ کا ہے کیا

اپنا کیا حال ہے اسلاف کی حالت کیا تھی
اپنی توقیر ہے کیا اُن کی وجاہت کیا تھی

سلطنت کے وہی اعضا تھے وہی تھے ارکان — اُنسے ہر حال میں دربار کو تھا اطمینان
رتق اور فتق کی ہاتھوں میں اُنھیں کے تھی عنان — طبل و نقارہ اُنھیں کا تھا اُنھیں کا تھا نشان

تھے وہی قائدِ لشکر وہی دفتر کے دبیر
تھے وہی شرع کے مفتی وہی دولت کے مشیر

مشورت اُنسے ہر اک بات میں لیجاتی تھی — جستجو اُنکی مہمات میں کی جاتی تھی
رخصتِ خلوت و جلوت اُنھیں دیجاتی تھی — سب چھپی اور ڈھکی اُنسے کہی جاتی تھی

ڈھونڈ ڈھونڈ اُنکو بلاتے تھے حکومت کے لئے
خدمت اُنکے لئے تھی اور وہ خدمت کے لئے

اُنکی نسلوں کی بھی کیا آج یہی ہے توقیر — نوکری کے لئے پھرتے ہیں جو کرتے تدبیر
کاش سوجھے اُنھیں جو پیٹ رہے ہیں وہ لکیر — کاش سمجھیں کہ ہیں کس وہم کے پھندے میں اسیر

بھاگوان آیا تھا جو قوم پہ وہ سال گیا
گئے منصب بھی جہاں قوم کا اقبال گیا

اب حسب اور نسب پر نہیں نازش کا محل — گردشِ دہر نے دی صورت احوال بدل
خاندانوں کی نجیبوں کے گئی ٹھیک نکل — کسی قابل نہ رہے شیخ نہ سید نہ مغل

گر گئے جو مئے پندار کے تھے متوالے
بڑھ گئے پیشہ و مزدوری و محنت والے

جنکو منظور ہے مشکل کو نہ دشوار کریں — چاہیے سعی و مشقت سے نہ وہ عار کریں

ہو میسر جنہیں وہ خدمت سرکار کریں — ورنہ مزدوری و محنت سر بازار کریں

آبرو اسمیں ہے شان اسمیں ہے عزت اسمیں
فخر اسمیں ہے شرف اسمیں شرافت اسمیں

پیشہ سیکھیں کوئی فن سیکھیں صناعت سیکھیں — کاشتکاری کریں آئین فلاحت سیکھیں
گھر سے نکلیں کہیں آداب سیاحت سیکھیں — الغرض مرد بنیں جرأت و ہمت سیکھیں

کہیں تسلیم کریں جا کے نہ آداب کریں
خود وسیلہ بنیں اور اپنی مدد آپ کریں

بیٹا عمران کا وہ فخر بنی اسرائیل — ہم سخن جس سے ہوا طور پہ خود رب جلیل
جسنے فرعون کے لشکر کو کیا خوار و ذلیل — جسکے خود دست میں عصا میں تھی رسالت کی دلیل

گلہ بانی کے لئے پایا جو ایماے شعیب
بکریاں اُسنے چرانے میں نہ سمجھا کچھ عیب

انبیا پیشہ پہ گذران سدا کرتے رہے — اولیا خلق کی طاعت سے ابا کرتے رہے
خدمت جنس سے نفرت حکما کرتے رہے — حاجتیں آپ ہی سب اپنی روا کرتے رہے

اپنے ہاتھوں سے سر اک کام نبیڑا اپنا
کھینچکر لیگئے خود موج سے بیڑا اپنا

کی ہے مردوں نے اسی طرح سے دنیا میں گذر — ہوئی تکلیف سے یا چین سے اوقات بسر
نہوئے غیر کے تا زیست کبھی دست نگر — جب پڑی اپنے ہی بازو پہ پڑی جا کے نظر

گئے وہ مجمع یہاں سے کہ پریشان گئے
پر زمانہ کے نہ شرمندۂ احسان گئے

ہونگے حالی سے نہ دنیا میں کہیں ہرزہ سرا
خود ہیں گمراہ مگر قوم کے ہیں راہنما
جھکتے جھکتے ہوئی پشت آپکی خدمت میں دوتا
ایسے ہی خیر سے آزادہ روی کا دعوےٰ

بات کہنی وہی زیبا ہے کہ ہو جس میں اثر
ورنہ بے صرفہ نصیحت سے خموشی بہتر

ترکیب بند بر مدرسۃ العلوم مسلمانان واقع علیگڈھ

مرتبہ سنہ ۱۸۸۰ع

جھٹ پٹے وقت گھر سے ایک مٹی کا دیا
ایک بڑھیا نے سر رہ لاکے روشن کر دیا
تا کہ رہ گیر اور پردیسی کہیں ٹھوکر نہ کھائیں
راہ سے آساں گذر جائے ہر اک چھوٹا بڑا
یہ دیا بہتر ہے ان جھاڑوں سے اور اس لمپ سے
روشنی محلوں کے اندر ہی رہی جنکی سدا
گر نکلکر اک ذرا محلوں سے باہر دیکھئے
ہے اندھیرا گھپ در و دیوار پر چھایا ہوا

سرخرو آفاق میں وہ رہنما مینار ہیں
روشنی سے جنکی ملاحوں کے بیڑے پار ہیں

ہمنے ان عالی بناؤں سے کیا اکثر سوال
آشکارا جنسے انکے بانیونکا ہے جلال
شان و شوکت کی تمہاری ہے دھوم آفاق میں
دور سے آکے تمکو دیکھتے ہیں باکمال

قوم کو اس شان و شوکت سے تمہاری کیا ملا | دو جواب اسکا اگر رکھتے ہو یارائے مقال
سرنگوں ہو کر گروہ سب بولیں زبانِ حال سے | ہو سکا ہم سے نہ کچھ - الانفعال الانفعال

بانیوں نے تھا بنایا اسلئے گویا ہمیں
ہمکو جب دیکھیں خلف اسلاف کو رویا کریں

شوق سے اسنے بنایا مقبرہ اک شاندار | اور چھوڑا اُسنے اک ایوانِ عالی یادگار
اک نے دُنیا کے پودے باغ میں اپنے لگائے | اک نے چھوڑے دفینے سیم و زر کے بے شمار
اک محبِ قوم نے اپنے مبارک ہاتھ سے | قوم کی تعلیم کی بُنیاد ڈالی استوار
ہوگی عالم میں کبھی سرسبز یہ پچھلی مراد | یا وہ اگلوں کی امیدیں لائینگی کچھ برگ و بار

چشمہ سرِ حیوان ہے جو - بہتا رہیگا یہاں یونہی
سب اُتر جائینگی چڑھ چڑھ ندیاں برسات کی

دور سے امید نے جھلکی سی اک دکھلائی ہے | ایک کشتی ڈوبتے بیڑے کو لینے آئی ہے
قوم کے پیر و جواں سب ہو گئے تھے مردہ دل | دردمندی جوش میں چند اہلِ دل کو لائی ہے
پاؤ گے تاریخ میں ہرگز نہ تم اُس کی مثال | سلطنت نے قوم کی جو یہاں مدد فرمائی ہے
غیر قوموں نے بھی کی ہے شرطِ ہمدردی ادا | یہ بنا چلتی ہو ایک کو بھی دل سے بھائی ہے

آؤ ہم بھی اے عزیزو مغتنم سمجھیں اسے
اک ضروری کام اپنا سب سے ہم سمجھیں اسے

یہ مبارک گھر ہے منزلِ خیر و برکت ہے جہاں | جسکی پیشانی سے ظاہر ہیں سعادت کے نشاں

یہ نہالِ تازہ جسکو اک زمینِ شور میں — خرم و سرسبز کرنا چاہتے ہیں باغباں
یہ مسیحائی علاج اُس دردِ بے درمان کا — لا دوا ٹھیرا چکے جس کو اطبائے زماں
یہ نمونہ اُس عزیزِ مصر کا جس نے ستم — جنکے ہاتھوں سے سہے۔ دی قحط میں اُنکو اماں

عہد و پیماں اے عزیزو تمسے کچھ کرنے کو ہے
قوم کو پھر برکتیں سب بے انتہا دینے کو ہے

آرہی ہے اِس مکاں کے گوشہ گوشہ سے صدا — قوم اگر سمجھے تو ہوں میں قوم کا حاجت روا
ہے کوئی اکسیر دنیا میں تو ہوں اکسیر میں — اور اصلِ کیمیا کچھ ہے تو میں ہوں کیمیا
ہاتھ آجاتا سکندر کو اگر میرا سراغ — چھوڑ دیتا جستجوئے چشمۂ آبِ بقا
میرے جو حامی ہیں اُنکی یوں پھلینگی کوششیں — ایک دانہ سے ہوں خوشے جسطرح بے انتہا

ہے عبث۔ گر قوم نے بے وقت پہچانا مجھے
برکتیں اُن پر جنھوں نے وقت پر جانا مجھے

اُنسے کہدو۔ قوم میں ہیں جو کہ عالی خانداں — یا انھیں جاگیر و منصب پر ہے ناز بیکراں
کیا لئے بیٹھے ہو فخرِ منصب و جاگیر کو — منصب و جاگیر ہیں سب کوئی دن کے میہماں
تم نہیں رُتبہ میں بڑھکر تغلق و تیمور سے — ننگ ہے آج اُن کی نسلوں پر زمین و آسماں
چھوڑ جاؤ واسطے اولاد کے کوئی سپر — ورنہ وار اپنا کریگی گردشِ دورِ زماں

آؤ باندھو عہد مجھ سے اور میرا ساتھ دو
میرا سودا نقد ہے اِس ہاتھ دو اُس ہاتھ لو

میں تمھیں پستی سے پہنچاؤنگا تا اوج کمال
میں بناؤنگا تمھارے کام سب بگڑے ہوئے
جو کرینگے آج میری دست و بازو سے مدد
قوم کا حامی ہوں اور اسلام کا یاور ہوں میں

میں تمھیں دکھلاؤنگا جب تا ہوگا سنبھال
میں سمجھاؤنگا زمانہ کی تمھیں سب چال ڈھال
میں سدا کر بار رہونگا انکی نسلونکو نہال
چاہو دارالکفر سمجھو مجھکو یا دارالضلال

میں دکھاؤنگا کہ جو دشمن تھے میرے نام کے
تھے حقیقت میں وہ دشمن قوم اور اسلام کے

ملک میں عزت سے رہنا میں سکھاؤنگا تمھیں
قابلیت تم میں بڑھنے کی ہے دیکھوں کسقدر
تب یہ سمجھوگے کہ تم سوتے تھے کب کے بے خبر
یاد ہوگا تمکو وہ کھویا ہوا اپنا خطاب

سلطنت کا معتمد بننا بتاؤنگا تمھیں
بڑھ سکوگے جسقدر اتنا بڑھاؤنگا تمھیں
دفعۃً جب خواب غفلت سے جگاؤنگا تمھیں
پھر مخاطب "خیر امۃ" کا بناؤنگا تمھیں

مجھکو دیکھو گر مرے دعوے میں ہے کچھ اشتباہ
روز روشن آپ اپنی روشنی پر ہے گواہ

بارک اللہ! اے ریاض علم اے عین الحیات
ہو تو ہو اب روشنی تیری دلیل کارواں
قوم کے تو بھی یونہیں جہل اور تعصب کو مٹا
چھوٹ جائینگے جہاں میں کچھ تجھ جیسے نشاں

ہے ہمارے بخت و دولت کی عناں اب تیرے ہاتھ
چار سو کالی گھٹا چھائی ہے اور کالی ہے رات
جسطرح دین حنیفی سے مٹے لات و منات
چھوٹ جائینگے وہی کچھ باقیات الصالحات

الغرض یہ ہمت جماعت جب سے تیرے ساتھ ہے
ہم سمجھتے ہیں ترے سر پر خدا کا ہاتھ ہے

تو سدا آباد رہ اے قوم کی امید گاہ
دیکھتے ہیں غیر حیرت اور تعجب سے تجھے
اپنے حامی آپ پیدا کر کہ کوہِ سر بلند
خیر کی امید رکھنی ہے عبث اُس قوم سے

اے یگانوں اور بیگانوں کے یکساں خیر خواہ
قوم نے اب بھی اگر سمجھا نہ تجھکو آہ آہ
اپنی پونجی سے ہی آپ اپنی لئے پشت پناہ
آپ کو جسنے کیا ہو اپنے ہاتھوں سے تباہ

چارہ آخر کچھ نہیں حالی بجز صبر و سکون
کر دعا اب اِھْدِ قَوْمِیْ اِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ

تعصب و انصاف

مرتبہ ۱۸۸۲ء

یاد ہے ہم کو وہ عالم اپنا
اپنی جو بات تھی خوش آتی تھی
اپنی ہر آن پہ ہم مرتے تھے
اپنے انداز کے سودائی تھے
کان کو اپنی ہی بھاتی تھی الاپ
آپ خوبی پہ تھے اپنی مفتوں
جس جزیرے میں ہوے تھے پیدا
روم کی تھی نہ خبر شام کی تھی

جب کہ ہم آپ تھے اپنے پہ فدا
اپنی ایک ایک ادا بھاتی تھی
اپنی رعنائی کا دم بھرتے تھے
اپنے جلوے کے تماشائی تھے
سر دُھنا کرتے تھے ہم آپ ہی آپ
خود ہی لیلی تھے ہم اور خود مجنوں
اپنی لے دیکے وہی تھی دُنیا
آگہی طوس نہ بُسطام کی تھی

تھے تماشائی دشتِ پُر خار
پیکے شور آب ہی ہوتے تھے بحال
نالۂ زاغ و زغن پر تھے فدا
سیر و انگوزہ کی بو پر تھے نثار
لہسن ۱۲ ہینگ ۱۲
پرنیاں جانتے تھے کمبل کو
اور پری تھی نہ سُنی بات کبھی
ہم بسر کرتے تھے جس عالم میں
رُخ ہوا کا نہ بدلتا تھا کبھی
ایک ہی فصل پہ تھا دار و مدار
ایک رہتے تھے دن رات سدا
تھی سمجھ پیر و جواں کی یکساں
رکھتے تھے ایک سبق از بر یاد
وہاں نہ تھی حدِّ بلوغ صبیان
نئی بولی کا وہاں صرف نہ تھا
تھے خدا کے وہی ننانویں نام
اہلِ دولت کی نہ تھی عام عطا
تھا نہ دینداروں کو غیروں سے لگاؤ

کبھی گلشن کی نہ دیکھی تھی بہار
کہ نہ چکھا تھا کبھی آبِ زُلال
نہ سُنی تھی کبھی بلبل کی صدا
کہ نہ سونگھا تھا کبھی مُشکِ تتار
کہ نہ برتا تھا کبھی مخمل کو
بدلے دیکھے تھے نہ ذرات کبھی
وہاں سماں ایک تھا ہر موسم میں
موسم آ کر نہ نکلتا تھا کبھی
وہاں خزاں جا کے نہ آتی تھی بہار
آسماں کو تھی نہ گردش اصلا
عقل تھی خُرد و کلاں کی یکساں
مبتدی منتہی شاگرد اُستاد
پیر بالغ تھے نہ بالغ تھے جوان
تیس حرفوں کے سوا حرف نہ تھا
اور لینا تھا وہاں نام حرام
ایک ہی سمت برستی تھی گھٹا
ایک ہی سمت تھا رحمت کا جھکاؤ

دعوے غیروں کے تھے سب بے صرفہ — فیصلے ہوتے تھے نت یکطرفہ

راستی کا تھا نہ غیروں پہ گماں — حق نہ دائر تھا فریقین میں وہاں

تھی عناصر میں نہ وہاں آگ نہ باد — خلق سے ایک ہوئی مٹی بھی مراد

حس و حرکت کے کوئی پاس نہ تھا — وہاں کا حیوان بھی حساس نہ تھا

تھی درختوں کو نہ وہاں نشو و نما — چلنے پاتی تھی نہ گلشن میں ہوا

گل شگفتہ تھے نہ پودے شاداب — وہاں زمانہ پہ نہ آتا تھا شباب

وہی مرغوب تھی وہاں پوشش تن — جس سے آدم نے چھپایا تھا بدن

تھے پسندیدہ اسی شان کے گھر — کی تھی حوا نے جہاں عمر بسر

اسی انداز کے چلتے تھے جہاز — کشتی نوح کا تھا جو انداز

تھی اسی نسخہ پہ موقوف شفا — جو تھا بقراط نے ترکیب دیا

ٹوٹ سکتی تھی نہ وہاں سے رہ قدیم — تھا اثر لکھ گئے جو اگلے حکیم

وہاں کسی طرح نہ ممکن تھا خلا — وہاں نہ پانی تھا مرکب نہ ہوا

گھوڑے دوڑائے تھے اگلوں نے جہاں — وہی جولانگہ مردم تھی وہاں

کی تھی جس جا قدما نے منزل — بڑھنے پاتے تھے نہ وہاں سے محمل

علم و فن تھے نئے سارے مردود — غیب کے وہاں تھے خزانے محدود

نئی لذت سے تھی ہر طبع نفور — نعمتیں حق کی وہاں تھیں محصور

سب کی گدی پہ لگی تھیں آنکھیں — کچھ نہ آگے نظر آتا تھا انھیں

پیچھے گر دیکھتے تھے ریگستاں
سوجھتا تھا انھیں وہ آبِ رواں

آگے ہوتا تھا اگر چشمۂ آب
وہ سراسر نظر آتا تھا سراب

روشنی رکھتی تھی اُن سے اَن بَن
جیسے خفاش سے سورج کی کرن

تھا لکیر اپنی پہ ایک ایک فقیر
دل پہ ہر نقش تھا پتھر کی لکیر

رسم و عادت نہ بدلتی تھی وہاں
برف جم کر نہ پگھلتی تھی وہاں

آگ وہاں بجھ کے سُلگتی کم تھی
اور سُلگتی تھی تو لگتی کم تھی

شان میں وہاں نہ سنا تھا حق کی
کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِی شَانٍ کبھی

وضع میں تھا نہ تغیّر خو میں
جائے دل سنگ تھا ہر پہلو میں

سمجھا جاتا تھا وہ دل بے فرماں
مُہر جس دل پہ نہ ہوتی تھی وہاں

بات مشکل تھی دلوں سے جانی
نقش تھے دِل کے خطِ پیشانی

غیر کی بات خطا اپنی صواب
سب سوالوں کا تھا واں ایک جواب

چڑھ کے گر بحث کو جاتے تھے کہیں
فتح کا پہلے سے ہوتا تھا یقیں

تھی وہاں حق کی یہی ڈِفینِشن
مُنہ سے جو اپنے نکل جائے سخن

اسی عالم میں پلے تھے ہم بھی
اسی ساون کے تھے اندھے ہم بھی

جانتے تھے کہ جہاں میں ہم پر
ختم ہیں سارے کمالاتِ بشر

حق نے جو ہم پہ کئے ہیں احساں
اُن سے محروم ہے نوعِ انساں

سب سے ہر بات میں ہم ہیں افضل — اب نہیں کوئی ترقی کا محل

اپنے حصے میں ہے ساری تہذیب — خانہ پرور ہے ہماری تہذیب

جو قدیم اپنا چلن ہے اور چال — خردہ گیری کی نہیں اس میں مجال

ہے بری عیب سے خوراک اپنی — پاک دھبے سے ہے پوشاک اپنی

رسم اپنی نہیں بیجا کوئی — طور اپنا نہیں بھونڈا کوئی

آدمیت کے ہمیں ہیں مصداق — ہم سے سیکھے کوئی حسنِ اخلاق

سب عالی ہیں خیالات اپنے — سب مسلم ہیں کمالات اپنے

ہم چلے جاتے ہیں جس رستے پر — وہاں نہ کھٹکا ہے کہیں کا نہ خطر

تھے سمائے ہوئے جو دل میں خیال — تھا تصور بھی خلاف انکے محال

جس کو اک بار برا جان لیا — عمر بھر پھر اسے اچھا نہ کہا

ٹوٹتی تھی نہ کبھی اپنی دلیل — وہی دعوی تھا وہی اپنی دلیل

وہم و شک کی کوئی صورت ہی نہ تھی — ہم کو تحقیق کی حاجت ہی نہ تھی

جو بدلتی تھی نہ بدلی تھی کبھی — رائے ایسی تھی پسند ایسی تھی

ہم سمجھتے تھے نہ سمجھانے سے — اور الجھ جاتے تھے سلجھانے سے

سچ وہی تھا جسے سچ جان لیا — جھوٹ تھا جھوٹ جسے مان لیا

حق و باطل کی یہی تھی میزان — جھوٹ اور سچ کی یہی تھی پہچان

ذاتِ باری کو نہیں جیسے زوال — رائے اپنی بھی بدلنی تھی محال

کوہ ہٹ جائے تو یہ تھا ممکن
ہم نہ ہٹتے تھے جگہہ سے لیکن

حسن ظن تھا یہ سمجھ پر اپنی
غلطی کا تھا گماں تک نہ کبھی

تھے لڑکپن کے خیالات تمام
دل میں اترے ہوئے شکلِ الہام

دیکھتے سنتے تھے جو اس کے خلاف
نظر آتا تھا وہ سب لاف وگزاف

تھی نئی بات سے یہانتک نفرت
ہوتی تھی سننے سے پہلے وحشت

بو نئی شے کی جو پا لیتے تھے
ناک بن دیکھے چڑھا لیتے تھے

عقل کی تھیں نہ صلاحیں مقبول
تھی وہ سرکار میں اپنی معزول

فکر پر زور نہ ڈالا تھا کبھی
ہوش ہمنے نہ سنبھالا تھا کبھی

جو کہ تھا اپنی کتابوں میں لکھا
کوئی حرف اسمیں جز الہام نہ تھا

جو کہانی تھی بزرگوں نے کہی
تھا وہی فلسفہ اور علم وہی

تھا لباسوں میں لباس اپنا لباس
اور سب سوختنی بے وسواس

تھی زبان اپنی زبانِ پاکاں
ماسوا اہل جہنم کی زباں

جلوۂ دہر کا باقی تھا نہ ہوش
تھے نشہ میں یہ خودی کے مدہوش

کان میں پڑتی تھی جب بات نئی
غیر ہو جاتی تھی حالت دل کی

خرق عادت بھی اگر دیکھتے تھے
آنکھ اٹھا کر نہ ادھر دیکھتے تھے

نئی آواز سے چونک اٹھتے تھے
اوپری شکل پہ بھونک اٹھتے تھے

شاعری دنیا سے نرالا تھا مذاق
ہم کو تھا مذہب بھی اپنا تریاق

اپنی حجت کو تو ہی جانتے تھے — بات ہر پھر کے وہی مانتے تھے

تھا نہ قصدِ حق و باطل مطلق — جو پڑھا تھا وہی از بر تھا سبق

خصم سے بحث اگر کرتے تھے — حق سے ہم قطع نظر کرتے تھے

کاٹ دی خصم نے جو بات کہی — بحث و تکرار کی غایت تھی یہی

خصم کی بات کو کرنا تسلیم — اپنے نزدیک ہزیمت تھی عظیم

حق کا خطرہ جو کبھی آتا تھا — نفس آپ اپنے کو جھٹلاتا تھا

دشمنی کے یہی معنے تھے کہ جو — ہم کہیں بات وہ تسلیم نہ ہو

ہم اندھیرے کو اگر کہتے تھے نور — دوستو نکو یہی کہنا تھا ضرور

گر خلاف اپنے کوئی بول اٹھا — اس سے بڑھ کر کوئی بدخواہ نہ تھا

ذکر غیروں کا نہ تھا بے نفرین — کوئی مردود تھا اور کوئی لعین

غیر کے واسطے تھی نارِ سعیر — باغِ فردوس تھا اپنی جاگیر

اور تھے حرص و ہوا کے بندے — ہم تھے مخصوص خدا کے بندے

بخششیں ختم تھیں ساری ہم پر — وقف تھی رحمت باری ہم پر

نیک اعمال تھے غیروں کے تباہ — اور مغفور تھے سب اپنے گناہ

عین تحقیق تھی اپنی تقلید — شرک اپنا تھا سراسر توحید

تھا بدی کا نہ گنہ کا کچھ ڈر — پاس ایسی کوئی رکھتے تھے سپر

سب جاگو تھے ہمارے ملکوت — تھے ہمیں آدم و حوا کے سپوت

حوض کوثر پہ تھا قبضہ اپنا ‏ ‏ سلسبیل اپنی تھی طوبیٰ اپنا

اپنی ظلمت تھی سراسر تنویر ‏ ‏ اپنے اندھو نکو بھی کہتے تھے بصیر

رکھتے جنت میں نہ تھے ہم ساجھی ‏ ‏ غیر ناری تھے سب اور ہم ناجی

تھے قضا اور قدر کے مالک ‏ ‏ ہم تھے اللہ کے گھر کے مالک

عصبیت میں رہے جب تک چور ‏ ‏ کھینچتے یونہیں رہے آپ کو دور

نظر آتا تھا نہ کچھ پست و بلند ‏ ‏ تھے ہم ایک کلبۂ تاریک میں بند

دی جب انصاف نے دستک آکر ‏ ‏ حجرۂ تنگ سے نکلے باہر

جلوہ علم و یقیں کو دیکھا ‏ ‏ آسماں اور زمیں کو دیکھا

رخ حقیقت نے دکھایا ہر سو ‏ ‏ چاند نا سا نظر آیا ہر سو

کی تعصب سے جو ہیں قطع نظر ‏ ‏ ہوا ایک اور ہی عالم میں گذر

علم پر تھا نہ جہاں کوئی حجاب ‏ ‏ دھوکا پانی کا نہ دیتا تھا سراب

کھوٹے سچے نظر آتا تھا الگ ‏ ‏ دودھ پانی نظر آتا تھا الگ

نکتہ چیں یار تھے واں یاروں کے ‏ ‏ قدرداں غیر تھے اغیاروں کے

دور بیگانہ نہ تھا خویش سے واں ‏ ‏ خویش اول تھا نہ درویش سے واں

عیب کہتے تھے اپنے خوش خوش ‏ ‏ دوغ واں اپنی بھی ہوتی تھی ترش

تھی نجس کوئی نہ انساں کی زباں ‏ ‏ گاڈ بھی کہتے تھے اللہ کو واں

حق کی پہچان بجز اخلاص نہ تھی
حق کی کوشش کوئی وہاں خاص نہ تھی

ساتھ اعتبار کے کھاتے تھے اگر
کبھی ایمان کا نہ ہوتا تھا ضرر

صلحا لمپ جلاتے تھے وہاں
اتقیا منبر پہ کھاتے تھے وہاں

نہ سمجھتا تھا وہاں کوئی بشر
آپ کو نوع بشر سے بہتر

بھائی انساں تھے سب انسانوں کے
میت ہندو تھے مسلمانوں کے

ایک معدن کے تھے سب لعل و گہر
ایک ڈالی کے تھے سب برگ و ثمر

اشعری معتزلی۔ لامذہب
ایک ماں باپ کی اولاد تھے سب

اپنی ہر رائے پہ کرنا اصرار
کفر وہاں بس یہی پایا تھا قرار

ہٹ سے باز آتے نہ تھے وہ زنہار
تھے وہ بوجہل کی امت میں شمار

پاؤں وہاں جن کے پھسل جاتے تھے
خود پھسل کر وہ سنبھل جاتے تھے

ٹیڑھ وہاں دل کی نکل سکتی تھی
رائے اپنی بھی بدل سکتی تھی

دیکھ حجت کو قوی پیر و جواں
بند ہو جاتے تھے بچوں سے وہاں

حق کی آواز جہاں آتی تھی
مت کروروں کی بدل جاتی تھی

پاک عقلیں تھیں خطا سے نہ علوم
جز نبی کوئی نہ تھا وہاں معصوم

غور ہر بات میں کی جاتی تھی
مشورت عقل سے لی جاتی تھی

تھی وہاں عقل معطل نہ حواس
سب قوی کام میں تھے بے وسواس

آنکھ رہ سکتی نہ تھی بن دیکھے
کان سننے سے نہ باز آتے تھے

سوجھتی تھی جو انوکھی کوئی چیز — جانچتی تھی اُسے وہاں چشم تمیز
سُنتے تھے بات نرالی جسدم — کستے تھے اُس کو محک پر باہم
کڑوے اور میٹھے کو چکھ لیتے تھے — کھرے کھوٹے کو پرکھ لیتے تھے
پھول ہر خار سے چُن لیتے تھے — بھوگ پنچھوں کی بھی سُن لیتے تھے
عادتیں سب کی بدلتی تھیں سدا — ایک اللہ کی عادت کے سوا
عیب جس رسم میں پا لیتے تھے — دل وہیں اُس سے ہٹا لیتے تھے
اُجلی پوشاک جو مل جاتی تھی — مَل گچے کپڑوں سے شرم آتی تھی
دیکھ لی جس نے کہ شمع کافور — تھا وہ جیکٹ بھری دیوٹ سے نفور
ہاتھ آ جاتا تھا جب مال بنا — پھینک سب دیتے تھے عطار دوا
گر کے ہو جاتے تھے گھر جن کے کھنڈر — گھر کی واجب تھی مرمت اُن پر
نت نئی ریت نکلتی تھی وہاں — رُت سماں روز بدلتی تھی وہاں
قافلے چلتے تھے دن رات تمام — کسی منزل پہ نہ کرتے تھے مقام
قبلہ تھا علم الٰہی اُن کا — تھا سفر نا متناہی اُن کا
تشنۂ علم تھے وہاں سب ایسے — پیاسے پانی کے ہوں طالب جیسے
نہ مجسطی پہ قناعت تھی اُنھیں — نہ اشارات کفایت تھی اُنھیں
عرش تحقیق تھا استھان اُنکا — مصر تیرتھ تھا نہ یونان اُن کا
دیکھا جب عالم انصاف کا رنگ — ہم کو خود آنے لگا آپ سے ننگ

خوبیاں اپنی تھیں جو ذہن نشین
آن پہ ہم کرنے لگے خود نفریں

عیب اپنے نظر آنے لگے
آپ ہم اپنے سے شرمانے لگے

ہوئی وہ بزم خیالی برہم
تھا طلسمات کا گویا عالم

جسکو سمجھے تھے غلط ہم دریا
اک وہ ناچیز سا قطرہ نکلا

تھا کیا جسکو یقین چشمۂ آب
وہ نمایش تھی حقیقت میں سراب

قصر و ایواں کا گماں تھا جن پہ
نکلے آخر وہ گڑھے اور کھنڈر

تھا شبک دانۂ خردل سے سوا
کوہ الوند جسے سمجھا تھا

جب ہر اک قوم کا ساماں دیکھا
ہمنے وہاں آپکو عریاں دیکھا

نکلے سب ہیچ خیالات اپنے
ٹھیرے سب پوچ کمالات اپنے

آپ کو اونٹ سمجھتا تھا بڑا
نکلا جب تک کسی گھاٹی سے نہ تھا

چیونٹیاں آئیں جو پربت کی نظر
پھر اُٹھایا نہ کبھی اونٹ نے سر

بھنگا جب تک رہا گولر میں نہاں
تھا وہی اُسکے تصور میں جہاں

پر وہ گولر سے جو باہر آیا
اپنی ہستی سے بہت شرمایا

پردہ جب تک رہا آنکھوں پہ پڑا
حسن پر اپنے گماں تھے کیا کیا

مُنہ جب آئینہ میں دیکھا جاکر
ہم کو اک شکل مہیب آئی نظر

ہوا حیرت سے دگرگوں احوال
ڈر گئے دیکھ کے اپنے خط و خال

دیکھا جب آپ کو بالکل معیوب
چھپ گئے غیروں کی آنکھوں سے عیوب

پاک قلم ہو گئی نخوت کا فتور | بنگیا رشک ہمارا وہ غرور
ناخن فکر نے کی دل میں خراش | عیب جوئیوں کی لگے کرنے تلاش
جن کے طعنوں کی تھی ہمپر بھرمار | انکے ہم دل سے ہوئے شکرگذار
ہم نے جانا کہ یہی ہیں دل سوز | چل رہے تیر ہیں جنکے دل دوز
انکا غصہ ہے سراسر رحمت | زہر ہیں ان کے بھرا ہے امرت
انھیں بندوں کے ہیں ایماں سچے | یہی کافر ہیں مسلماں سچے
قائم انصاف کا جب ہوگا نشاں | مانے جائینگے انھیں کے احساں
بے خبر کب کے پڑے سوتے تھے | ان کی آواز سے ہم چونک اٹھے
انکے طعنوں نے جگایا ہمکو | زہر نے ان کے جلایا ہمکو
یار و اغیار کے عیب و ہنر | آشکارا ہوئے ایک اک ہم پر
حق کے جلوے نظر آئے ہر جا | اہل باطل میں بھی اک پائی ادا
ملا ہر راہ میں باطل کا سراغ | اہل حق کو بھی نہ پایا بےداغ
اہل تقوے کی ریائیں دیکھیں | اہل حکمت کی خطائیں دیکھیں
زشتیاں دیکھیں نکوکاروں میں | خوبیاں پائیں گنہگاروں میں
کلب کی پاک سرشتی دیکھی | پائے طاؤس کی زشتی دیکھی
عیب بھی دیکھے ہنر بھی دیکھے | خار دیکھے تو ثمر بھی دیکھے
ہنر اغیار میں پائے اکثر | عیب اپنے نظر آئے اکثر

دفترِ علم کو ابتر پایا | علم کو جہل سے بدتر پایا

مجلسیں غیبت و بہتاں سے پُر | صحبتیں جھوٹ سے طوفان سے پُر

منقطع بھائی کی بھائی سے امید | اپنا بیگانہ لہو سب کے سفید

پاک بندوں کی زباں پر دشنام | نہ ثقات اس سے بری اور نہ کرام

فقرا مکر و ریا کے پتلے | اغنیا حرص و ہوا کے پتلے

شیخ عیار تو زاہد پُرفن | مولوی عقل کے سارے دشمن

پیاز کی طرح نرے پوست ہی پوست | قوم کے دوست مگر ناداں دوست

حالت القصہ جو دیکھی اپنی | کوئی کل پائی نہ سیدھی اپنی

سارے آوے کو ٹٹولا جا کر | کوئی برتن نہ سُڈول آیا نظر

پایا اک دین کا محکم قانون | وہ بھی یاروں کی بدولت مطعون

دیکھی آنکھوں سے جو یہ حالتِ زار | جی بھر آیا نہ رہا صبر و قرار

گو نہ تھا تلخ نوائی کا محل | آہیں دو چار گئیں دل سے نکل

تلخ گذرے جو کسی کو یہ صدا
حق میں تلخی کے سوا اور ہے کیا

کلمۃ الحق

مرتبہ ۱۸۸۳ء

اے راست گوئی کیا قہر ہے تو | اے حق کی تلخی کیا زہر ہے تو

سنتے کوئی تجھ سی کڑوی نہ ہوگی
حنظل میں ایسی تلخی نہ ہوگی

ہے ناگواری پہچان تیری
الحق ہمہ کش شان تیری

یاروں کو کرتی اغیار تو ہے
چلواتی گھر گھر تلوار تو ہے

رشتے ہزاروں تونے توڑائے
باپوں سے بیٹے تونے چھڑائے

سقراط کو زہر تونے دلایا
شبیر کو قتل تونے کرایا

بے جرم مسموم تونے کرائے
سولی پہ معصوم تونے چڑھائے

رخنے عرب میں تونے نکالے
بدر و اُحد میں رن تونے ڈالے

موسیٰ کو مدین تونے بھگایا
احمدؐ سے مکہ تونے چھڑایا

تونے صلہ میں بخشے ہیں اکثر
سولی کے اورنگ کانٹوں کے افسر

مظلوم کتنے تیرے سہارے
ایلی ہی ایلی کہتے سدھارے

خونخوار لشکر ہیں ساتھ تیرے
رنگیں لہو میں ہیں ہاتھ تیرے

تیری جلو میں رسوائیاں ہیں
سنگت میں تیری تنہائیاں ہیں

تدبیر ہے تو ناکامیوں کی
تقریب ہے تو بدنامیوں کی

تو آشتی کی رہتی ہے دشمن
تو مصلحت سے رکھتی ہے ان بن

قطع و برش ہے تاثیر تیری
رہتی ہے ننگی شمشیر تیری

ہوتی ہے جس جا تو جلوہ گستر
دفتر بہت سے ہوتے ہیں ابتر

پڑتی ہے ہل چل ہر مرحلے میں
آتی ہے دنیا اک زلزلے میں

حق معبدوں میں ہوتا ہے داخل — ہوتے ہیں جھوٹے معبود باطل
اُٹھتا ہے عملہ لات اور صفا کا — ہوتا ہے گھر پر قبضہ خدا کا
عبرانیوں کا اُڑتا ہے پرچم — صف قبطیوں کی ہوتی ہے برہم
ہوتے ہیں اغیار احمد کے ساتھی — بوجہل کے سب چھٹتے ہیں ناتی

اے راست گوئی اے تیغ بُرّاں — تیرا مخالف کیوں ہو نہ دوراں
سب وحشت آگیں مضموں ہیں تیرے — نت مصلحت پر شبخوں ہیں تیرے
گُن تیرے جن پر ظاہر ہوئے ہیں — وہ تیری دُھن میں آخر ہوئے ہیں
اُمڈا جہاں سے سیلاب تیرا — پھر وہاں نہ کشتی ٹھہرے نہ بیڑا
اُٹھتی ہیں دل سے جب بھی موجیں — ہوتی ہیں نازل وہاں حق کی فوجیں
دیتی ہے ہمت اُن کو سہارے — کرتی ہے امید پنہاں اشارے
عزم اُنکی مشکل کرتا ہے آساں — دل اُن سے لاکھوں کرتا ہے پیماں
چھا جائے ظلمت گو بحر و بر میں — ہے روز روشن اُنکی نظر میں
زور اُن پہ تیرے ہیں آشکارا — مٹھی میں اُن کی عالم ہے سارا
عظمت جہاں ہے تیری سمائی — پربت وہاں ہے نظروں میں رائی
شاہوں سے گردن جھکتی نہیں وہاں — طوفاں میں کشتی رُکتی نہیں وہاں

اے راست گوئی تو ہے وہ افسوں
منکر بھی دل سے ہیں جس پہ مفتوں

تلخی میں تیری طرفہ مزا ہے
ہر دل میں چبھتی تیری ادا ہے

تو نے جہاں دی آواز جا کر
لاکھوں سر اٹھے تیری صدا پر

ہوتی ہے دھیمی پرواز تیری
بڑھتی ہے کم کم آواز تیری

پھر دوڑتی ہے یوں مرد و زن میں
جس طرح آتش لگتی ہے بن میں

بنتے ہیں دشمن انصار تیرے
ہوتے ہیں قیدی احرار تیرے

پطرس نے چھوڑے یار آشنا سب
یزداں پہ دیکھی تیری ادا جب

ڈالا عمر پر جب تو نے سایہ
ارقم کے گھر میں آ سر جھکایا

آہٹ سے تیری کرتے ہیں جو رم
ہیں گڑگڑاتے دل انکے ہر دم

جوں جوں وہ زد سے کرتے ہیں دوری
ضرب ان پہ تیری پڑتی ہے پوری

جاتا ہے آہو جب چوٹ کھا کر
گرتا ہے آخر کچھ دور جا کر

تجھ سے بھی جو ہیں وحشی بدکتے
پھر پھر کے تجھکو جاتے ہیں تکتے

گو حق کی تلخی پائے ہوئے ہیں
پر چوٹ دل پر کھائے ہوئے ہیں

بھاگے ہیں کھا کر زخم نہاں وہ
جائیں گے بچ کر تجھ سے کہاں وہ

دل دوز ہیں سب تیری ادائیں
کڑوی ہیں تیری ساری دوائیں

زہر ہلاہل برسوں پئیں جب
بیمار تیرے پائیں شفا تب

دیتی ہے اول تو زخم کاری
مرہم کی آخر آتی ہے باری

کل ہے مسرت ہے آج غم تو
دیتی ہے امرت کہتی ہے سم تو

ہوتی ہے سچ سے جب سب کو نفرت
تو جھوٹ پر واں کرتی ہے لعنت

جس جا تعصب ہے عین ایمان
انصاف کا غل کرتی ہے تو واں

رسم سلف پر مرتے جہاں ہیں
رسموں پہ حملے تیرے وہاں ہیں

تقلید جس جا ہے طوق گردن
تقلیدیوں سے ہے تری اَن بن

کرتی ہے واں تو واعظ کو رسوا
ہے وحی منزل قول اُس کا جس جا

واں مفتیوں پر ہیں تیرے دھاوے
ہیں مثل قرآں جس جا فتاوے

پُجتی ہیں قبریں جب اولیا کی
تو ہے دُہائی دیتی خدا کی

جس ملک میں ہے جاری غلامی
ہوتی ہے تو واں بَردوں کی حامی

غل بھیڑیوں کا پڑتا جہاں ہے
تو بکریوں کی واں پاسباں ہے

زہر اُس عسل کو تو ہے بتاتی
جس میں حلاوت ہے سب کو آتی

اُس نیش میں تو کہتی شفا ہے
نیش اجل کا جسمیں مزا ہے

ہندی میں تیری تازی کی بو ہے
مشرق میں کہتی مغرب کی تو ہے

جس سرزمیں میں پانی ہے عنقا
تو چھیڑتی ہے واں ذکر دریا

ہر سو جہاں ہے طغیان باراں
شور العطش کا کرتی ہے تو واں

سانپوں کا خطرہ پاتی جہاں ہے
اندھوں کے آگے کرتی فغاں ہے

طوفاں کی آہٹ پہلے سے پاکر
بیڑوں میں چرچا کرتی ہے جاکر

ڈاکے کی آمد ڈاکے سے پہلے ۔ کہتی ہے جا کر تو کاروان سے
بلبل ہے گل پر جب چہچہاتی ۔ اُس دم خزاں سے تو ہے ڈراتی
پاتی ہے گھر میں جب کچھ دھواں تو ۔ آگ آگ کا غل کرتی ہے وہاں تو
جب دیکھتی ہے تو ہیں بگڑتی ۔ ہے آگ میں تو قوموں کی پڑتی
کرتی ہے ظاہر اُن کی خطائیں ۔ دیتی ہے اُن کو پیچیدہ رائیں
گر منعموں پر تو ہے برستی ۔ گہ جھاڑتی ہے مفلس کی ہستی
دیتی ہے طعنے بے غیرتوں کو ۔ کرتی ہے رسوا بے عزتوں کو
للکارتی ہے تو کاہلوں کو ۔ پھٹکارتی ہے تو جاہلوں کو
جھڑکی ہے تیری عادت میں داخل ۔ ترشی ہے تیری طینت میں داخل
بگڑے ہیں تجھ سے دل بے نہایت ۔ لاکھوں نے کی ہے تیری شکایت
یہاں نام تیرا جس نے لیا ہے ۔ عالم کو اپنا دشمن کیا ہے
احکام تیرے ٹلتے رہے ہیں ۔ تیرے نوشتے جلتے رہے ہیں
پہنچایا جس نے پیغام تیرا ۔ جمہور میں وہ بدنام ٹھہرا
کتنوں نے جانا ساحر نبیؐ کو ۔ کتنوں نے مانا کافر علیؑ کو
طوفاں اُٹھائے اہل ہدیٰ پر ۔ بہتان باندھے زین العبا پر
لقماں کو دی بدعت سے نسبت ۔ کی شافعی پر برپا قیامت
مالک پہ لائے آفت جفا جو ۔ یہانتک کہ اُکھڑا مفصل سے بازو

کی ابن حنبل کی یہ مدارا — چہرہ پہ تھوکا کوڑوں سے مارا
نکلے ائمہ اکثر وطن سے — خالی ہوا رے ابنِ حسن سے
کتنوں کی باندھیں ذلت سے مشکیں — کتنوں کے رسی ڈالی گلے میں
مرتد بتایا اہلِ یقیں کو — ٹھہرایا زندیق اربابِ دیں کو

اے کلمۂ حق تیری بدولت — مردوں پہ گذری کیا کیا مصیبت
ٹھیرے جہاں میں بیگانے سب سے — تجھپر ہوئے وہ دیوانے جب سے
دنیا نے اُن پر گو ظلم توڑا — دامن اُنھوں نے تیرا نہ چھوڑا
ہے تلخ و شیریں ہر بات تیری — سُننے میں کڑوی کہنے میں میٹھی
کانوں کو تو ہے گو ناگوارا — مُنھ سے نکلنا تیرا ہے پیارا
جو حرفِ حق سے بھاگے بگڑ کر — حق اُن کو لایا گردن پکڑ کر
حق کے سب آخر طالب ہوئے ہیں — نِت حق کے دعوے غالب ہوئے ہیں
ہوتا نہ ہرگز جگ میں اُجالا — حق کا نہ ہوتا گر بول بالا

اے راست گوئی اے ابرِ رحمت — ہے اس چمن میں سب تیری برکت
گر تو نہ ہوتی یہاں سایہ افگن — برباد ہوتا کب کا یہ گلشن
عالم ہے سرسبز تیرے قدم سے — آباد یہ گھر ہے تیرے دم سے

باغ جہاں کو چھانٹا ہے تو نے — اکثر خزاں کو ڈانٹا ہے تو نے

تو بے کسوں کی یاور رہی ہے — تو گمرہوں کی رہبر رہی ہے

جن بستیوں میں تو چھپائی — کھیتی اُنھیں کی یہاں لہلہائی

بند اپنی جس جا تو نے زباں کی — نکبت نے منزل آ کر وہاں کی

رہبر نہ ہوتا گر نور تیرا — یوناں میں ہوتا ہر سو اندھیرا

گر مصر کی تو کھوتی نہ خامی — مصری نہ ہوتے عالم میں نامی

سریا میں حق کا جھنڈا نہ گڑتا — سایہ اگر وہاں تیرا نہ پڑتا

جنبش نہ ہوتی گر تیرے لب کو — قبلہ نہ کرتے خاکِ عرب کو

ہوتے رہے ہیں سب ملک و ملت — سرسبز تجھ سے نوبت بہ نوبت

مشرق میں جب تھی تیری حکومت — چھائی ہوئی تھی مغرب میں ظلمت

جب دور تیرا مغرب میں آیا — مغرب کو تو نے مشرق بنایا

کھلتے رہے ہیں گل تیرے ہر سو — مہکی ہے اکثر یہاں تیری خوشبو

گو تجھ میں تلخی حد سے سوا ہے — پر تیری دارو صحت فزا ہے

ہر بول تیرا جوشِ غضب میں — ہے حق کی آواز راہِ طلب میں

گو علم کی تو ہے زندگانی — پر جہل تیرا دشمن ہے جانی

جاہل ہمیشہ تجھ سے لڑے ہیں — ناداں ہزاروں تجھ سے اڑے ہیں

لاکھوں بلائیں آئی ہیں تجھ پر — اکثر گھٹائیں چھائی ہیں تجھ پر

ملکوں نے تجھہ پر حملے کئے ہیں
قوموں نے تجھسے بدلے لئے ہیں

اے کلمہ حق اے سرّ یزداں
جس وقت ہو تو پردے سے عریاں
ہوں تیرے جسدم انصار تھوڑے
دشمن بہت ہوں اور یار تھوڑے

عالم ہو تیرا جب ناشناسا
حالی کو رکھیو اپنا شناسا

مناظرہ واعظ و شاعر

مرتبہ ۱۸۸۳ء

کل جو میں نے بستر راحت پہ جا کر دم لیا
دل کو اک وقفہ غم دنیا سے فرصت کا ملا
کی تصور نے وہیں اک بزم رنگیں آشکار
مجلس ارباب معنی جسکو کہنا ہے بجا
گرم تھا وھاں ہر طرف ہنگامہ بحث و نظر
سرخرو و گلگونہ حجت سے تھا ہر مدعا
شمع استدلال سے روشن تھا فانوس بیاں
چار سو ہنگامہ آرا تھی لِمَ و لَا کی صدا
تھے فراہم جسقدر اُس بزم میں اہل کمال
تھا شرف اپنے اپنے فن کے سب کو ادعا
مولوی کہتے تھے غیر از علم دیں سب ہیچ ہے
فلسفی کہتا تھا ہر فن کی ہے حکمت پر بنا
صوفی صافی ادھر کچھ کہہ رہا تھا زیر لب
واعظ معجب ادھر کچھ بک رہا تھا برملا
خود فروشی کا غرض تھا ہر طرف بازار گرم
ساز گوناگوں تھے لیکن ایک تھی سب کی صدا

شاعرِ مغرور جھبی اک سمت خنداں زیرِ لب ‏ سُن رہا تھا لافِ اہلِ فضل و خاموش تھا

جا کے پہنچا جب وہاں تک دورِ صہبائے سخن ‏ دفعۃً مجلس سے اُٹھا اور ہوا یوں خود ستا

دعوئے فضل و براعت اُسکو زیبا ہے یہاں ‏ جو کوئی تلمیذ رحمٰن تم میں ہے میرے سوا

ہے تصرف میں ہمارے عرصۂ دشتِ خیال ‏ کچھ نہیں معلوم جسکی ابتدا اور انتہا

رہروی میں ہمکو چشم و گوش پر تکیہ نہیں ‏ ہیں ہمارے بال و پر اندیشہ و فکرِ رسا

صاف ہوتا ہے بیاں اپنا خس و خاشاک سے ‏ پاک ہو جیسے وساوس سے دلِ اہلِ صفا

اتفاقاً گر کسی کی مدح پر آجائیں ہم ‏ خاطرِ دشمن میں اُسکا نقشِ اُلفت دیں بٹھا

خاک کو چرخِ بریں پر دیں اگر ترجیح ہم ‏ ماند ہو ذرّے کے آگے مہرِ تاباں کی ضیا

وصفِ خوباں ہم سے گر سُن پائے سالک ایکبار ‏ ہو نہ ہرگز پنجۂ عشقِ مجازی سے رہا

گر کریں ہم گلرخوں کی بیوفائی کا بیاں ‏ ہو نہ بلبل پھر چمن میں وے گُل پر مبتلا

کھینچدیں گر خاطرِ مشتاق کی تصویرِ شوق ‏ قیس کی کرنی پڑے لیلیٰ کو جا کر التجا

ہیں ہماری مدح کے پیر و جوان امیدوار ‏ اور ہماری ہجو سے تھراتے ہیں شاہ و گدا

گرمیٔ بزمِ حریفاں ہے ہماری ذات سے ‏ بادۂ گلگوں کا ہے ہر بات میں اپنی مزا

فکر اپنی لغزشِ اہلِ نظر سے پاک ہے ‏ ہم جہاں چلتے ہیں وہاں سدّ ہوئے راہِ خطا

کچھ نہیں پاسِ ضرر گر ہو روایت میں خلل ‏ جھوٹ سے ہوتی ہے یہاں رونقِ عبارت کو سوا

دی نہیں گو باشریعت نے ہمیں تکلیف کچھ ‏ جو نہیں جائز کسی کو ہے وہ سب ہمکو روا

خود ستائی جو کسیکو جز خدا جچتی نہیں ‏ آکے ہو جاتی ہے شاعر کی زباں پر خوشنما

فحش اور دشنام کو ملتا ہے یہاں تک قبول
گالیاں وہ دے کے ہم سنتے ہیں اکثر مرحبا

حیف بالا خوانیاں شاعر کی واعظ نے سنیں
مسکرایا اور یہ فرمایا کہ اے ہذیاں سرا

شیوہ تیرا بوالفضولی اور یہ لاف و گزاف
پیشہ تیرا یاوہ خوانی اور اتنا ادّعا

ہستیِ برحق کے عالم جو ہیں ازروئے خبر
وارثِ علمِ نبی قائم مقامِ انبیا

کیا ادب جاتا رہا انکا بھی تجھکو اے سفیہ
برسرِ مجلس ہے تو جو اس طرح للکارتا

گو نہیں گنتی میں اہلِ علم کی یہ خاکسار
پر سنے جاتے نہیں ہیں تیرے دعوے ناروا

ہر سخن کا اک جدا ہوتا ہے موقع اور محل
ہزل و سخریت کجا بزمِ خردمنداں کجا

علم اور حکمت کے ہوں جس بزم میں قصے کھلے
کس نے دی ہے تجھکو وہاں اس ہرزہ گوئی کی صلا

شعر مستحسن اگر ہوتا تو قرآں میں اسے
کیوں خلافِ شانِ ختم المرسلیں کہتا خدا

شان میں بالعلم یزری[1] جسکی آیا ہے صریح
فخر ہے اُس شعر پر تجھکو یہ اے شاعر او رے

چاہیے تھا اس اہلِ الذکر[2] سے ہو مستفید
ہو نہ جسکو علم سنت اور کتاب اللہ کا

خود ہو تم بے علم اور صحبت سے اہلِ علم کی
بھاگتے ہو جیسے شیطاں ہے اذاں سے بھاگتا

ہے یہی باعث کہ بک اٹھتے ہو تم بے اختیار
جو تمھارے منہ میں آتا ہے سزا اور ناسزا

اس زبانِ یاوہ گو کو ہی کیا سمجھا ہے تو
جرم گو چھوٹا ہے اسکا جرم ہے لیکن بڑا

بے حقیقت ہیں سراسر سے خیالاتِ بلند
ہجو ہے تو بے اثر اور مدح ہے تو بے صفا

---

۱ عربی میں مقولہ مشہور ہے کہ الشعر یزری بالعلم یعنی شاعری عیب لگاتی ہے علم کو ۱۲ ۲ اہل الذکر سے مراد علمائے دین ہیں ۱۲

ہے جہاں خامہ کو تیری خدمتِ مشاطگی | مورت اک پتھر کی ہے وہاں جو جنت کے سوا

بال سے باریک تر معشوق کی تیری کمر | رات سے تاریک تر ہے ہجرِ صنم میں ترا

شش جہت میں تو کرے برپا قیامت سات بار | یار اپنے اگر دم بھر کو ہو عاشق جدا

تیغِ چوبیں کی ہو گر تبرش بیاں کرنی تجھے | ہے تنزل گر اسے ٹھہرا تو تیغِ قضا

ہو جہاں لکھنی تجھے اسپِ گلی کی جست و خیز | اک ترارے میں اسے پہنچائے تو فوق السما

تو ہوا مدح و ثنا میں جسکی سرگرمِ غلو | اور الٹا خوبیوں پر اسکی پردہ پڑ گیا

ہے بڑے درجہ کا تنزل ہے اگر ٹھہرائے تو | جم کو اسکے در کا درباں اور بہمن کو گدا

بہمن و جمشید یہاں بیچارے کس گنتی میں ہیں | تنگ ہیں یاں جھوٹ سے تیرے انبیا اور اولیا

لکھّے تو اک گربۂ مسکیں کو سار استرلیت | اور کہے اک لعبتِ سنگیں کو تو یوسف لقا

فی المثل گر ہو ترا ممدوح اک برگِ گیاہ | اسکو ثابت کرکے چھوڑے تو صفاتِ کبریا

بادخوانوں سے سوا ہو تجھ کو فکرِ تہنیت | خواب میں سن پائے تو گر کوئی شادی کی صدا

بس نہیں غل ڈالدے تو نالہائے شوق سے | چین میں شہرہ ہو گر اک شاہدِ نوخیز کا

شعر کو الہام سمجھے گر نصیبوں سے کبھی | کان میں پڑ جائے تیرے ایک چھوٹی واہ وا

مذہبِ شاعر میں جسکا دین باطل نام ہے | راستی اور صدق سے بڑھکر نہیں کوئی خطا

سر بسر اقوال سے تیرے کچھ ہیں اور افعال کچھ | ہے زبانِ گوہر افشاں پر نعم اور دل میں لا

شان میں آیا ہے جنکی قول ما لا یفعلون[1] | چشم بد دور آپکے ہادی ہیں اور مقتدا

[1] قرآن میں شعرا جاہلیت کی نسبت فرمایا ہے کہ انہم یقولون ما لا یفعلون یعنے وہ کہتے ہیں جو نہیں کرتے ۱۲

ایسے دروازے بہت کم پائینگے آفاق میں
جن پہ صبح و شام تونے دی نہ ہو جا کر صدا

ہے زبانِ خامہ تیری تابعِ فرمانِ حرص
کام تجھکو کچھ نہیں جز مدح و قدحِ اغنیا

مدح میں حد سے زیادہ جنکی کرتا ہے غلو
گالیاں دیتا ہے تو اکثر اُنھیں کو برملا

جیسے دروازوں سے پھرتے ہیں دعا دیکر فقیر
مدح تو بھی ختم کرتا ہے یونہیں دیکر دعا

ہر دعا میں ہے مقدر شرطِ اِن اَعطَیتنی
صاف لعنت کا دعا میں تیری آتا ہے مزا

پردۂ عرضِ ہنر میں مانگتا ہے بھیک تو
گر یہی ہے شاعری تو تجھ سے بہتر ہیں گدا

زہد و دل کا جب کہ واعظ نے لیا سارا اُگل
اور نہ کوئی تیر باقی اُسکے ترکش میں رہا

سُنکے شاعر نے کہا بس اے خدنگ انداز بس
ہے زباں تیری دہن میں یا سنانِ جانگزا

چوٹ تھی تیری سخن پر جا پڑی اخلاق پر
تونے چاک پیرہن کو تا جگر پہنچا دیا

خردہ گیری کے لئے حاضر ہے شاعر کا کلام
اس سے کیا مطلب کہ بیہودہ بندۂ حرص و ہوا

تو اگر معصوم ہو تو کچھ کہی جاتی نہیں
پھنس رہا ہے ورنہ اس پھندے میں شاہ و گدا

کھیلتے پھرتے ہیں میدانِ جہاں میں سب شکار
آڑ میں ٹٹی کی لاکھوں اور ہزاروں برملا

حرصِ مخفی جسم میں انساں کے گر جائے خون
شاعروں سے تیرے چہرے کی دمک ہوتی سوا

میں نے ان آنکھوں سے اے واعظ لباسِ وعظ میں
جو فروشی کرتے دیکھے ہیں بہت گندم نما

ضبط ہے اک تم کو کہدوں گر بُرا مانو نہ تم
آپ ہو بیمار اور اوروں کو دیتے ہو دوا

آپ میں تسبیح و ذکر و طاعت و زہد و ورع
خوبیاں سب کچھ سہی پر دل کا مالک ہے خدا

میں بتاؤں آپکو۔ اچھوں کی کیا پہچان ہے ‏ جنمیں عشق دا چھپے وہ اور ونکو ہیں کہتے بڑا

بات حق ہو یا کہ باطل تیری مرضی کے خلاف ‏ مُنہ سے نکلی اور تجھے تکفیر کا پہلو ملا

ترکِ اولیٰ پہ فضیحت جس قدر کرتا ہے تو ‏ قتل انسان پر نہیں ملتی کہیں ایسی سزا

ہے فقط دوزخ تیری سرکار میں جنت نہیں ‏ چوک جس سے ہو گئی کچھ۔ پھر نہیں تو بخشتا

عاصیوں کی مغفرت جنسے نکلتی ہے صریح ‏ ایسی آیات اور حدیثوں سے ہے تو جی میں خفا

گر خدا بھی واعظو ہوتا تمھیں سا سخت گیر ‏ اس چمن کو دیکھتا کوئی نہ پھر پھولا پھلا

گرم بازاری ہی میں اپنی بس سمجھے ہو تم ‏ لوگ ہوں بے راہ۔ اور اُنکے بنو تم رہنما

چاہتے ہو تم یہاں کثرت معاصی کی نہیں ‏ ہیں اطبا چاہتے جسطرح امراض اور وبا

آپ ان باتوں کو اک بہتان سمجھینگے مگر ‏ سوجھتی اکثر نہیں انسان کو اپنی خطا

جو کہوں میں اسکو باور کر۔ نہیں اسمیں خلاف ‏ شاعروں کے کذب سے بدتر ہے وعظ کی ریا

یہ بھی کوئی جھوٹ ہے۔ ہم جسکے خود ہیں معترف ‏ جھوٹ وہ ہے جو ہو پردے میں تقدس کے چھپا

دعوتوں میں سچ بتا جس شوق سے جاتا ہے تو ‏ ایک بھی کی ہے نماز اس شوق سے تو نے ادا

یاد ہے وہ تیرا کہنا دیکھ کر کھانے چُنے ‏ دینؔ قائم ہے ابھی یارو کرو شکرِ خدا

مدرسے کوشش سے تیرے گو بنے ہیں شہر شہر ‏ مسجدیں بھی تو نے بنوائی ہیں اکثر جا بجا

پر یہ حیرت ہے کہ ان کاموں میں جو لاگت لگی ‏ اُس سے دہ چند آپکے دیوان خانہ میں لگا

مجرموں کے جرم شاید ہوں نہ اتنے خوفناک ‏ نیکیاں تیری ہیں جیسی پُرخطر روزِ جزا

سلہ یعنی علما کی دعوت میں ایسے ایسے تکلفات کیے جنسے ثابت ہوتا ہے کہ دُنیا میں دیندار لوگ ابھی موجود ہیں اور دین قائم ہے ۱۲

ہے یقین تُو نا ہی ہو گا اپنے دل میں تو حقیر
جسقدر مانا ہے زید و عمرو نے تجھکو بڑا

کر دیا رسوا تری تزویر نے تذکیر کو
ورنہ اک منصب تھا یہ شایانِ شانِ انبیا

لطف ہے گو تو دلربا اور قہر ہے تو دلفریب
سحر ہے افسوں ہے جادو ہے تری جو ہے ادا

گہ جہنم سے ڈراکر چاہتا رشوت ہے تو
گاہ حوروں پہ لبھا کر مانگتا ہے رونما

گونجتا ممبر پہ ہے یوں بیٹھکر گویا کہ آپ
آسمان سے لیکے اُترے ہیں ابھی حکمِ خدا

ہاتھ میں ہے تیرے گویا نار و جنت کی کلید
جسنے پوجا[1] تجھکو وہ فردوس میں داخل کیا

نیکیاں برباد ہیں ساری تری خدمت بغیر
فرقۂ ناجی ہے بس اک پوجنے والا ترا

اپنی اک امت الگ سب سے بنانیکے لئے
تفرقے ڈالے ہیں دین حق میں تو نے جا بجا

تیرے گھر بھرے ہیں مسلمانوں میں ہے جبتک نزاع
اختلافِ امت کا حق میں تیرے رحمت ہو گیا

جسطرح جھگڑونکے خواہاں ہیں عدالت میں وکیل
مانگتا ہے تو یونہیں باہم خصومت کی دعا

چاہتا ہے قوم میں جوتی سدا چلتی رہے
کشتیٔ اسلام کا پھر کیوں نہ ہو تو ناخدا

شاعروں کو بس اسی منہ سے گدا کہتا ہے تو
اے اسیر دامِ نفس اے بندۂ حرص و ہوا

کچھ گدا کہنے سے تیرے ہم گدا ہوتے نہیں
ورنہ ہم بھی یوں تو کہہ اُٹھتے ہیں بعضوں کو گدا

شاعری پر ہے بڑا یہ طعن حضرت کا کہ ہم
حد سے بڑھ جاتے ہیں کرتے ہیں جب مدحِ اغنیا

طعن کچھ بیجا نہیں کہتے ہیں یہ اک عذر ہم
غور کرنا عذر پہ ہے شیوۂ اہلِ صفا

سب پہ روشن ہے کہ ہم لوگوں کا اک پیشہ ہے مدح
جیسے تم لوگوں کا پیشہ ہے یہی مکر و ریا

[1] پوجنا محاورہ میں نذر کرنے کو کہتے ہیں ۱۲

اپنے اپنے کام اور پیشے میں ہم ہوں یا کہ تم
کرتے ہیں ہوتا ہے جو کچھ مصلحت کا مقتضا

وعظ میں دیتے ہو آخر داستاں کی چاٹ تم
راستی سے کام جب چلتا نہیں تسخیر کا

مدح میں ہم بھی یونہیں کرتے ہیں رنگ آمیزیاں
جب تنِ ممدوح پر کھلتی نہیں سادی قبا

پھول پھل سے سر کو بے بہر جب پاتے ہیں ہم
ایک طرہ اسمیں آزادی کا دیتے ہیں لگا

سوسن و نسرین و گل میں جب وفا پاتے نہیں
وصفِ رنگ و بو سے ہم دیتے ہیں عیب انکا چھپا

پر ہم اس کے مدح میں خود اپنا دکھاتے ہیں کمال
ورنہ ایسی مدح ہے ممدوح کے حق میں ہجا

اس سے بڑھکر ہجو ہو سکتی ہے کیا انسان کی
لکھیں اعمی کو بصیر اور راہزن کو رہنما

عدل میں لکھتے ہیں ہم نوشیروانِ عہد انھیں
ایک منکوحہ کا حق ہوتا نہیں جنسے ادا

حاتمِ وقت انکو ٹھہراتے ہیں جنکا بذل و جود
اسلئے ہے تا کہ حاصل حاکموں کی ہو رضا

زیرکی میں انکو کہتے ہیں ارسطوے زماں
ہمنشیں احمق بنائے ہیں جنھیں صبح و مسا

کہتے ہیں کس شد و مد سے انکو ہم بیدار مغز
جو نہیں واقف کہ آمد کیا ہے اور ہے خرچ کیا

جو غلامانہ خوشامد کرتے ہیں حکام کی
انکی آزادی پہ ہم کہتے ہیں سو سو مرحبا

انہیں ثابت کرتے ہیں ہمدردیِ نوعِ بشر
آپکو گنتے ہیں جو نوعِ بشر سے ماورا

حامیِ اسلام دیتے ہیں خطاب انکو کہ جو
کرتے ہیں سوا جلسے اپنے نام اسلام کا

یاورِ خلق انکو کہتے ہیں جنھیں اے واعظو
تم کسیکے کام کا رکھتے نہیں اپنے سوا

مدح کیجاتی ہے یہاں اکثر اسی انداز سے
شیخ ہو ممدوح یا واعظ غنی ہو یا گدا

قطبِ دوراں اُن ریاکاروں کو ٹھہراتے ہیں ہم
آپکو بھی جو سکھائیں فنون مکر و دغا

اُن فسوں سازوں کو ہم لکھتے ہیں ذوالنون زماں
آپ جھوٹ اسکو کہیں جو مدح وہ بے مغز ہے
چبھتی اور دُکھتی سخنوروں نے یہ کی تقریر جب
دل میں واعظ نے پڑھی لاحول اور سمجھا کہ پیر
پر بظاہر داغ یہ دامن سے دھونے کے لئے
ہو چکیں باتیں ہنسی کی اب کرو کچھ اور ذکر
کہئے فکر شعر کا ہوتا ہے اب بھی اتفاق
ہیں ہنسی کی اور باتیں کیجئے انصاف اگر
عرض کی شاعر نے حضرت کا ہی ہے یہ حسنِ ظن
قبلہ اب وہ دن گئے جو شاعروں کی قدر تھی
شعر اگر کہئے تو روٹی جا کس گھر کھائیے
اب تو یہ کہتا ہوں شعر و شاعری کو چھوڑ کر
اس گئے گذرے زمانہ میں بھی یہ فنِ شریف
آپ لوگوں کی تو اسمیں بس کسی نے ہے مجال
روز اک سونے کی چڑیا گر نہ ہاتھ آئی نہ آئے
کی سخن پرداز نے واعظ سے جب یہ گفتگو
خواب کا سا وہ سماں جاتا رہا سب یک بیک

بیٹھکر ممبر پہ جو آنکھوں کا کاجل لیں اُڑا
نام اسکا مدح ہی تو ہجو ہے پھر چیز کیا
اور لگے سب مسکرانے دیکھ کر یہ ماجرا
جھینپکر اک بے ادب کو مفت میں سودا ہوا
ہنسکے اک سنجیدگی سے اور متانت سے کہا
ہزل اک استہزا زیادہ حد سے ہوتا ہے بُرا
آپنے دیوان تب کیوں نہیں ابتک کیا
ہے غزل میں آپکی دیوانِ حافظ کا مزا
ورنہ میں کیا اور مرا مجموعۂ اشعار کیا
شاعری اور نکتہ پردازی میں ہے اب کیا دھرا
سیکڑوں پھرتے ہیں شاعر تنگدست اور بے نوا
وعظ میں شاگرد ہو جاؤں کسی اُستاد کا
کیمیا ہے کیمیا ہے کیمیا ہے کیمیا
پر ہمیں بھی سیکھنے سے کچھ نہ کچھ آجائیگا
ہم گنہگار دکھائیں ایسا نہیں ہے کچھ بُرا
قہقہوں سے چار سو مجلس میں اک غل پڑگیا
اور دی پہلو سے دل نے کانمیں یہ صدا

ہزل ہو یا جد نصیحت لیجیے ہر بات سے
کہ گئے ہیں اہل دل دع ما کدر خذ ما صفا

جشن جوبلی

مرتبہ ۱۸۸۷ء

ہے عید یہ کس جشن کی یارب کہ سراسر — ہے جوبلی ہی جوبلی اک ایک ال کی زباں پر

یہ عہد کہ گذرے ہیں برس جسکو پچاس اب — ست جگ سے ہے یہ ہند حقیقیں کہیں بہتر

وہ دور تعصب تھا یہ ہے دورہ انصاف — وہ جنگ کا موجد تھا یہ ہے صلح کا رہبر

جمشید پہ جب آگ ہوئی سنگ سے ظاہر — ایران میں کیا جشن سدہ اُسنے مقرر

اس عہد ہمایوں میں ہزار ایسے کرشمے — ظاہر ہوئے اسطرح کہ عقلیں ہوئیں ششدر

یہ جشن مبارک ہے بہت جشن سدہ سے — وہ آگ نکلنے کا یہ بجھنے کا ہے مظہر

اس دور خجستہ میں وہ سب بجھ گئے شعلے — تھی جنکی جہانسوز لپٹ آگ سے بڑھکر

اس عہد نے وہ خون بھرے ہاتھ کئے قطع — جو پھیرتے تھے بیٹیوں کے حلق پہ خنجر

بیٹوں کی طرح چاہتے ہیں بیٹیوں کو اب — جو لوگ روا رکھتے تھے خونریزی دختر

جب بیٹیوں نے زندگی اسطرح سے پائی — دی زندگی اک اور انھیں علم پڑھاکر

اس عہد نے کی آکے غلاموں کی حمایت — انساں کو نہ سمجھا کسی انساں نے کمتر

دی اُسنے مٹا ہند سے یوں رسم ستی کی — گویا وہ ستی ہوگئی خود عہد کہن پر

یہ قصیدہ انجمن اسلامیہ لاہور کی ایڈریس کے ساتھ انجمن کی طرف سے بحضور ملکہ معظمہ قیصر ہند گزرانا گیا تھا ۱۲

نابود کیا اُس نے زمانہ سے ٹھگی کو | اک قہر تھا اللہ کا جو نوعِ بشر پر
اس عہد میں انساں ہی نہیں ظلم سے محفوظ | مظلوم نہ اب بیل نہ گھوڑا ہے نہ خچر
اے مادرِ برطانیہ اے فخرِ بر و فلک | اے ہند کے گلہ کی شباں ہند کی قیصر
سچ یہ ہے کہ فاتح کوئی تجھسا نہیں گذرا | محمود نہ تیمور نہ دارا نہ سکندر
تسخیر فقط اگلوں نے عالم کو کیا تھا | اور تو نے کیا ہے دلِ عالم کو مسخر
بند اپنے فرائض میں مسلماں ہیں نہ ہندو | معمور مساجد ہیں تو آباد ہیں مندر
بجتا ہے فقط چرچ میں اتوار کو گھنٹا | سنکھ اور اذاں گونجتے ہیں روز برابر

گورنمنٹ قیصر سے ہے ہر قوم گرانبار | احساں مگر اسلام پہ ہیں اُسکے گرانتر
معلوم ہے جو موروں پہ اسپین میں گذری | جس وقت ازابلا ہوئی واں صاحبِ افسر
حالت وہی اس ملک میں ہم پہ تھی ہماری | گرتا نہ اگر اُسکا نشاں ہند میں آکر

اب ہند میں کشمیر سے تا راس کماری | ہر قوم کے ہیں پیر و جواں متفق اس پر
امید نہیں ہند کے راحت طلبوں کو | راحت کی کسی سایہ میں جز سایۂ قیصر

گر برکتیں اس عہد کی سب کیجیے تحریر | کافی ہے نہ وقت اُسکے لیے اور نہ دفتر
ہے اب یہ دعا حق سے کہ آفاق میں جب تک | آزادی و انصاف حکومت کے ہیں جوہر

قیصر کے گھرانے پہ رہے سایۂ یزداں
اور ہند کی نسلوں پہ رہے سایۂ قیصر

پھوٹ اور ایکے کا مناظرہ

پھوٹ سے ایکے نے کی یہ گفتگو
میں ہوں جہاں کا چمن آرا کہ تو

میرا ہے یا تیرا مبارک قدم
مجھ سے ہے یا تجھ سے بقائے امم

اپنی ستائش نہیں زیبا۔ مگر
حق نہ جتاؤں تو ہے خوفِ ضرر

منزلِ ہستی کا ہوں میں رہنموں
کچھ نہ ہو اے پھوٹ اگر میں نہیں

مجھ سے ہی اجسام کو ہے التیام
مجھ سے ہی اجرام میں ہے انتظام

میری بدولت ہے کھچا اور تنا
جال یہ سب ثابت و سیار کا

میرا اگر ہو نہ قدم درمیاں
زیر و زبر ہو ابھی نظمِ جہاں

دانوں کو دیتا ہوں میں خرمن بنا
قطروں سے دیتا ہوں میں دریا بہا

ڈھیلوں سے چنتا ہوں حصارِ حصیں
ریشوں کو کر دیتا ہوں حبل المتیں

میں ہوں اگر مورچوں کے درمیاں
اُنکا سلیماں کو کردوں میہماں

مجھ سے ہے ہر قوم اعانت طلب
کرتے ہیں طاقت مری تسلیم سب

قوموں کے اقبال کی میں ہوں دلیل
میں نہیں جس قوم میں وہ ہے ذلیل

مجھ سے گھرانوں کی ہے چھاتی پہاڑ
میں نہیں جس گھر میں وہ گھر ہے اجاڑ

ملک ہیں آباد مری ذات سے | یمن ہے اک میری کرامات سے
میں نے ہی جس قوم کو بخشا وقار | قوم وہی قوم ہے باقی کہاں
بخت عدو مال ہی اُس قوم کا | بندہ خدا اقبال ہے اُس قوم کا
نرغہ میں گھر جائے گر ایک اُنکا فرد | لاکھ پہ بھاری ہے بوقت نبرد
ڈال نہیں سکتا کوئی اُس پہ ہاتھ | سوجھتی ہی قوم تمام اُسکے ساتھ
میرا ہی جس ملک میں جاری عمل | وھاں کبھی آنے نہیں پاتا خلل
میرے تصرف میں ہی جو سرزمیں | وھاں کوئی بیکس کوئی تنہا نہیں
ایک ہے زخمی تو ہیں سب دل فگار | ایک ہی مظلوم تو حامی ہزار
ایک کو گر دیکھتے ہیں مضطرب | پیٹ کو پکڑے ہوئے پھرتے ہیں سب
آگ اگر گھر میں لگی ایک کے | قوم میں گھر گھر دھوئیں اُٹھنے لگے
کُل کی مصیبت میں ہیں کُل مبتلا | ایک پر آتی نہیں کوئی بلا
ضُعف دباتا نہیں اُنکو کبھی | رکھتے ہیں گر وہ بھی وھاں دل قوی
غم نہیں افلاس کا مفلس کو وھاں | ایک کا افلاس ہے سب پر گراں
ایک کی خواری سے ہیں نادم ہزار | ایک ہے رسوا تو ہیں سب شرمسار
ایک کی عزت ہو تو نازاں ہیں سب | ایک ہو گر شاہ تو سلطاں ہیں سب

سُنتی ہے امی خانہ برانداز جھوٹ | سچ ہے یہ سب میرا بیاں یا کہ جھوٹ

تجھ میں نہیں عیب کچھ اسکے سوا
ساتھ مرے تیرا ہے کھٹکا لگا

ذات ہے میری یہ کامل - مگر
دیتی ہے گہنا مجھے تو آن کر

ہوتی اگر تیری نہ یہاں ہست و بود
میرا مبارک تھا جہاں میں وجود

چشمۂ رحمت ہے جماعت ـ وے
کرتی ہے تو آکے مکدّر اُسے

چار جو مل بیٹھتے ہیں یہاں کبھی
سب نظرِ بد سے ہیں لرزاں تری

صلح کا رہتی ہے بُرا لگتی تو
دو کو بہم دیکھ نہیں سکتی تو

قطع و بُرش تیری جبلّی ہے خو
گوشت جُدا کرتی ہے ناخن سے تو

بھائیوں کو کرتی ہے اغیار تو
یاروں کو کر دیتی ہے بے یار تو

ڈالتی ہے اُنمیں نزاع اور خلاف
دو کے نہیں چھوڑتی دل اُنمیں صاف

قوم میں جو دیکھئے چھوٹا بڑا
چُنتا ہے ڈیڑھ اینٹ کی مسجد جُدا

مضحکہ خود اپنا بناتے ہیں وہ
اپنے پہ عالم کو ہنساتے ہیں وہ

سوجھتی ملّت کی نہیں کوئی بات
یہ جو کہے دن تو وہ کہتا ہے رات

رہتا ہے ایک ایک کے درپے نہاں
جس سے ۔ جسے دیکھئے ہے بدگماں

زَید کا ہے عَمرو سے ظاہر ملاپ
دل میں بھرا دونوں کے لیکن ہے پاپ

ایک یہ کہتا ہے کہ میری نہ چلے
دوسرا خواہاں کہ زک اُسکو ملے

دیکھئے جسکو وہ ہے اس تاک میں
یاروں کے منصوبے ملیں خاک میں

قوم کی قوم آتی ہے بیکس نظر
جاتی ہیں جھاڑو کی سی سینکیں بکھر

عیب ہیں جو تجھ میں وہ مجھ میں نہیں | خوبیاں جو مجھ میں ہیں تجھ میں نہیں

چھوٹ نے ایکے سے سنا جب یہ لاف | بولی کہ تقصیر ہو میری معاف

نام ہے بدنام مقرر مرا | ذکر برائی سے ہے گھر گھر مرا

پر کوئی انصاف سے دیکھے اگر | میں ہوں وہی جو کہ ہے تو سربسر

عیب ہیں کچھ مجھ میں تو تجھ میں بھی ہیں | خوبیاں تجھ میں بھی ہیں مجھ میں بھی ہیں

خلق کے ہم دونو مددگار ہیں | دوست کا تو یار ہے دشمن کی میں

اپنوں سے تو غیروں کو کرتا ہے زیر | میں ہوں کہ دل غیروں کا رکھتی ہوں شیر

میں کروں تائید نہ تیری اگر | ہو کوئی خوبی نہ تری جلوہ گر

کام رہیں سارے ادھورے ترے | ہوں کبھی منصوبے نہ پورے ترے

میرے ہی بل چلتی ہے گاڑی تری | مجھ سے ہی سرسبز ہے باڑی تری

میں جو نہ ایراں کو دلاتی شکست | رومیوں کے حوصلے ہوجاتے پست

ڈالتی بغداد میں گر میں نہ جال | کرتی نہ عبّاسیوں کو پائمال

کام نہ آتا کوئی تیرا ہنر | فتح نہ پاتی کبھی فوج تتر

ہوتی بخارا میں نہ گر میں مخل | کرتی نہ سامانیوں کو مضمحل

غزنوی اس طرح نہ پاتے فروغ | ٹھیرتے دعوے ترے سارے دروغ

ہند میں میں گل نہ کھلاتی اگر | رنگ نہ یہاں اپنا جماتی اگر

غوریوں کو فتح دلاتا نہ تو — خلجیوں کے کام کچھ آتا نہ تو
لودیوں کے بڑھتے نہ آگے قدم — مغلوں کا یہاں آکے نہ گڑتا علم
ہند میں کرتی نہ اگر میں وطن — پھیلتے مغرب سے نہ یہاں علم وفن

یہ تو لیا تو نے سن اے اتفاق — اب کہوں کچھ اور جو گذرے نہ شاق
تجھ سے سوا مجھ میں ہے سچ اسکو جان — جلوہ گر انصاف الٰہی کی شان
تو جو کسی قوم کا بنتا ہے یار — چاہتا ہے بگڑے نہ وہ زینہار
اسکو نہ پیش آئے کبھی روز بد — بات رہے اسکی بنی تا ابد
حصہ میں اسکے رہے عزّ و شرف — رشک سے قومیں تکیں اسکی طرف
آئے نہ اقبال کو اسکے زوال — دوست رہیں شاد۔ عدو پائمال
تیرا تو یہ خاصہ ٹھہرا مگر — عادت حق کی نہیں تجھکو خبر
آج کسی کو جو چڑھاتا ہے وہ — دوسرے دن اسکو گراتا ہے وہ
جزر ہے دریا میں پس از مد ضرور — عزّت و دولت کی ہے اک حد ضرور
ختم جب اقبال کا ہوتا ہے دور — سارے بگڑ جاتے ہیں قوموں کے طور
خصلتیں اُن کی نہیں رہتیں درست — فرض ادا کرنے میں رہتے ہیں سست
بھول کے بھی وہ نہیں لاتے بجا — بندوں کے حق اور نہ حقوق خدا
ملتی ہے ہر چند کہ مہلت انھیں — پہ کبھی ہوتی نہیں عبرت انھیں

جب نہیں غفلت کا اُترتا خمار
ہوش میں آتے نہیں وہ زینہار

کرتے سزا سے نہیں پھر درگذر
کارگذارانِ قضا و قدر

لیتے ہیں چھین اُن سے حکومت کبھی
کرتے ہیں سلب اُنکی لیاقت کبھی

علم کبھی دیتے ہیں اُن کا مٹا
دیتے ہیں دولت کبھی اُنکی لُٹا

اسپہ بھی ہوتے نہیں جب ہوشیار
بھیجتے ہیں قحط و وبا بار بار

کوڑے یہ کھا کھا کے گئے گر سنبھل
سر سے بلا قوم کے جاتی ہے ٹل

ورنہ مجھے کرتے ہیں مامور وھاں
تاکہ کروں قدرتِ باری عیاں

الحذر اُس وقت سے اے اتفاق
آکے جب کہتی ہوں میں الفراق

آگئے اُس قوم کے جس دن بُرے
حق نے کیا جس پہ مسلط مجھے

کوہ کو کرتی ہوں پرِ کاہ میں
شیروں کو کردیتی ہوں روباہ میں

قدر و بہا قوم کی لیتی ہوں چھین
کوڑی کے کردیتی ہوں میں تین تین

کرتے نہیں غیر اُنھیں آکے پست
پاتے ہیں وہ اپنے ہی ہاتھوں شکست

دیتے ہیں دھیان اُنکا بد اندیش چھوڑ
آپ ہی مرجاتے ہیں سر پھوڑ پھوڑ

آگ پہ گویا کہ ہوں بارود میں
قوموں کو کردیتی ہوں نابود میں

ہو گیا جس مُلک میں یہاں میرا راج
قحط و وبا کی نہیں وھاں احتیاج

قحط و وبا کرتے ہیں جانیں تلف
کھوتی ہوں میں قوم کا عز و شرف

دیتے ہیں وہ قوم کی گنتی گھٹا
کرتی ہوں میں قوم کو بالکل فنا

حکم یہی ہے تجھے اے اتفاق | ڈالتی ہوں اسلئے انمیں نفاق
ہے مری تحقیر خلافِ ادب | ہیں جو فرستادۂ درگاہِ رب

سلسلہ تقریر کا جب بڑھ گیا | پھوٹ کو یہ غیب سے آئی صدا
ڈالدئے تونے دلوں میں شگاف | کب تلک اے پھوٹ یہ لاف و گزاف
حد سے سوا بڑھ گئی تو شرم شرم | جھوٹ میں اور اتنا غلو شرم شرم
چیز حقیقت میں کوئی تو نہیں | تجھ میں حقیقت کی کہیں بو نہیں
چیز وہی چیز حقیقت میں ہے | تعبیہ جو خلق کی فطرت میں ہے
فطرتِ انساں کے ہے جو کچھ خلاف | ہیچ ہے وہ اسمیں نہیں اختلاف
طبع بشر میں ہے ودیعت وفاق | وھاں نہیں مطبوع بجز اتفاق
روم ہوں یا ترک عجم یا عرب | مہر و محبت پہ ہیں مجبول سب
ایک کو ہے ایک کی جانب جھکاؤ | ایک سے ہے ایک کے دلکو لگاؤ
ہوتی کچھ اے پھوٹ اگر تیری اصل | متحد انسان کی ہوتی نہ نسل
تو ہے وہ سرچشمہ نہیں جسمیں آب | تیری نمائش ہے برنگِ سراب
ایسے بہت کرتی ہیں جلوے عیاں | آدمِ خاکی کی غلط فہمیاں
جیسے کہ بے اصل خبر گاہ گاہ | ملک کرا دیتی ہے دم میں تباہ
تجھ سے بھی پڑ جاتے ہیں اکثر بگاڑ | رائی کے ہو جاتے ہیں بنکر پہاڑ

ہے یہ نمائش تری اے خود نما — شعبدہ اک وہم غلط کار کا
سیکڑوں گھر جہل نے ڈھالے ہیں یہاں — پردے بہت عقلوں پہ ڈالے ہیں یہاں
جہل کا چھایا ہے اندھیرا جہاں — ملک کو ظلمت نے ہے گھیرا جہاں
ٹھیک نہیں سوجھتی وہاں کوئی چیز — نفع و ضرر میں نہیں ہوتی تمیز
قوم کی تعریف نہیں جانتے — اپنی حقیقت نہیں پہچانتے
کر نہیں سکتے وہ حقائق میں غور — کہتے ہیں جز اور ہے کُلی ہی اور
جانتے دریا کو ہیں اک شے جدا — قطروں سے کہتے ہیں کہ وہ ہے جُدا
پر یہ عزیزوں کو نہیں سوجھتا — ہے انھیں قطروں سے وہ دریا بنا
بس یہی انساں کی غلط کاریاں — دیتی ہیں پہنچا اُسے اکثر زیاں
ہوتا ہے بیٹھا ہوا جس شاخ پر — تولنے لگتا ہے اُسی پر تبر
چلنے کو جس راہ میں ہوتا ہے وہ — کانٹے اُسی راہ میں بوتا ہے وہ
پینے کا جو اُسکے ہے جان بخش جام — زہر ملاتا ہے اُسی میں وہ خام
حق کبھی ہونے نہیں دیتیں عیاں — جہل کی چھائی ہوئی تاریکیاں
ہوتی ہے پر ختم شب تار جب — پھیلتے ہیں علم کے انوار جب
شے نہیں رہتی کوئی پیش نظر — نور حقائق کے سوا جلوہ گر
سچ نظر آتا ہے سچ اور جھوٹ جھوٹ — تفرقہ رہتا ہے نہ رہتی ہے پھوٹ
وہم دوئی دل میں سماتا نہیں — اپنے سوا کچھ نظر آتا نہیں۔

بھائیوں پر پہلے کئے تھے جو وار ‌ ‌ اپنا بدن پاتے ہیں اُنسے فگار

اُنپہ چلائے تھے جو تیر و سناں ‌ ‌ اپنے بدن پر ہیں اب اُنکے نشاں

اُنکے سمجھ کر جو بگاڑے تھے کام ‌ ‌ کام نکلتے ہیں وہ اپنے تمام

علم ہو جس قوم کا یہاں راہبر ‌ ‌ برکتیں اللہ کی اُس قوم پر

جانتے ہیں وہ برکاتِ وفاق ‌ ‌ اُنپہ ہیں روشن خطراتِ نفاق

فرق نہیں اُنکے زن و مرد میں ‌ ‌ قوم کی طاقت ہے ہر اِک فرد میں

رتبہ یہ اِیکے نے ہے اُنکو دیا ‌ ‌ لاکھوں کروڑوں پہ ہیں فرمانروا

زور سے ہیں اُنکے زبردست زیر ‌ ‌ لومڑیاں سامنے اُنکے ہیں شیر

اے کہ تری ذات ہے عالم پناہ ‌ ‌ اسود و احمر کا ہے تو بادشاہ

جوڑنا ٹوٹوں کا ترے ہات ہے ‌ ‌ تیری صفت جامعِ اشتات ہے

منتجِ ادبار ہے جب تک نفاق ‌ ‌ مثمرِ اقبال ہے جب تک وفاق

تلخ ہے جب تک ثمرِ اختلاف ‌ ‌ ہے تر و تازہ شجرِ ایتلاف

بھیجیو نکبت نہ کسی قوم پر ‌ ‌ رکھیو ہر اِک قوم کو شیر و شکر

ٹوٹے نہ آفاق میں سنگت کوئی ‌ ‌ ہو نہ پراگندہ جماعت کوئی

بند سے ہو بند نہ کوئی جدا ‌ ‌ بکھرے نہ شیرازہ کسی قوم کا

پھوٹ کسی قوم میں پڑجائے جب ۔۔۔ ایک ایک انھیں بچھڑ جائے جب
رکھنی ہے باقی تجھے گر انکی نسل ۔۔۔ تفرقہ کر انکا مبدل بہ وصل
ورنہ اگر ہو نہ ملاپ انکو راس ۔۔۔ اور نہ ہو سر جوڑنے کی انکے آس
وہ جئے تو کیا جئے بے آبرو ۔۔۔ جلد اٹھا لے انھیں دنیا سے تو
پھوٹ ہو جس قوم میں وہ قوم کیا ۔۔۔ حق میں ہے اس قوم کے بہتر فنا

مسلمانوں کی تعلیم

مرتبہ ۱۸۸۹ء

یہ ترکیب بند محمڈن ایجوکیشنل کانگرس کے چوتھے اجلاس میں بمقام علیگڈھ پڑھا گیا تھا۔

زمانہ دیر سے چلا رہا ہے اے مسلمانو ۔۔۔ کہ ہر گردش میں میری غیب کی آواز پہچانو
سنے ہونگے نہ معنی لاتسبوا الدہر کے تم نے[1] ۔۔۔ تو اب سن لو کہ ہوں میں شانِ ربانی مجھے مانو
وہ ناصح اور ہونگے جنکا کہنا ٹل بھی جاتا ہے ۔۔۔ اگر میری نہ مانوگے تو پچتاوگے نادانو
مری بازی کا منصوبہ گیا کب کا پلٹ یارو ۔۔۔ خبر تمکو بھی ہے کچھ؟ اے مری چالوں سے بیگانو
گئے وہ دن کہ تفریق کرتے تھے دیندار دنیا سے ۔۔۔ بقائے دین و ملت منحصر دنیا پہ اب جانو
گئے وہ دن کہ ثروت باپ دادا چھوڑ جاتے تھے ۔۔۔ بس اب ہے وقت مزدوروں کا حصہ ان آسانو

[1] یہ ایک حدیث کی طرف اشارہ ہے جسکے الفاظ یہ ہیں لاتسبوا الدہر فان الدہر ہو اللہ یعنی زمانے کو برا نہ کہو کیونکہ وہ بھی ایک شان ہے شیون الٰہی میں سے اور نہ ماننے کے جو واقعات تمکو ناگوار گذرتے ہیں وہ درحقیقت خدا کے کام ہیں ۱۲

گئے وہ دن کہ لاکھوں بے ہنر یہاں عیش کرتے تھے
ہوا ہے بے ہنر جینا بھی اب مشکل مری جانو

مٹے ہو جس ہنر اور فن پہ تم وہ مٹنے والے ہیں
یہ سودا کب تک اے شمع سحر گاہی کے پروانو

اسے سمجھے ہو جس گھر کو نہیں دیّار وہاں کوئی
کہاں بیٹھے ہو تم اے خانۂ ویراں کے دربانو

نصیحت میری مانو اب بھی اپنی ہٹ سے باز آؤ
پھری جسوقت دیکھو میری چتون تم بھی پھر جاؤ

گیا دورِ حکومت کا بس اب حکمت کی ہے باری
جہاں میں چار سو علم و عمل کی ہے عملداری

جنھیں دنیا میں رہنا ہے رہے معلوم یہ انکو
کہ ہیں اب جہل و نادانی کے معنی ذلت و خواری

ضرورت علم و دانش کی ہے ہر فن اور صناعت میں
نہ چل سکتی ہے اب بے علم نجاری نہ معماری

جہاں علمِ تجارت میں نہ ماہر ہوں گے سوداگر
تجارت کی نہ ہوگی تا قیامت گرم بازاری

نہ آئینگی پسند ان نوکروں کی خدمت و طاعت
جنھیں پائینگے آقا زیورِ تعلیم سے عاری

اگر چاہینگے کرنی آدمی گھوڑوں کی سائیسی
تو دینا ہوگا انکو امتحانِ علمِ بیطاری

نہ مستغنی رکابول علم سے ہیں اب نہ باورچی
ہوا ہے مدرسوں سے مطبخوں تک فلسفہ جاری

یقیں جانو کہ آئندہ ملیگی درسگاہوں میں
گر آٹا پیسنے کو چاہیئگی اک پسنہاری

کوئی پیشہ نہیں اب معتبر بے تربیت ہرگز
نہ فصادی نہ جراحی نہ کحالی نہ عطاری

جہاں تک دیکھئے تعلیم کی فرمانروائی ہے
جو سچ پوچھو تو نیچے علم کے اوپر خدائی ہے

گئے وہ دن کہ تھا علم و ہنر انسان کا اک زیور
ہوئی ہے زندگی خود منحصر اب علم و دانش پر

کوئی بے علم روٹی سیر ہو کر کھا نہیں سکتا
نہ زرگر اور نہ آہن گر نہ بازی گر نہ سوداگر

مہندس چاہیئے مزدور اب اور راج اقلیدس
بس اب دنیا میں بے علموں کا ہے اللہ ہی یاور

نہ پہنیگا کوئی جاہل کی شاید سی ہوئی جوتی
بس اب ہیچ ہیں فلاطوں سے یہ ہیں ہم ہوں تو ہوں کمتر

جہانداری میں آج ایک ایک عاقل ہے جم و کسریٰ
جہاں گیری میں ہے ایک اک سپاہی طغرل و سنجر

گئے وہ دن کہ تھے محدود کام انسان کے سارے
برابر تھا بئے کا گھونسلا اور آدمی کا گھر

یہ دورہ ہے بنی آدم کی روز افزوں ترقی کا
جو آج اک کام ہے اعلیٰ تو کل ہے اس سے اعلیٰ تر

کوئی دن میں خسارہ سب سے بڑھ کر اس کو سمجھینگے
کہ دو دن آدمی ٹھہرا رہے یہاں ایک حالت پر

نہ تھا غیر از ترقی فرق کچھ انسان و حیواں میں
دیا ہے امتیاز انسان کو یہ تعلیم نے آکر

زمانہ نام ہے میرا تو میں سب کو دکھا دونگا
کہ جو تعلیم سے بھاگینگے نام انکا مٹا دونگا

ہمارے شکر سے اے قوم احساں اسکا بالا ہے
کہ جس نے قوم کی تعلیم کا یہاں ڈول ڈالا ہے

خدا کی برکت و رحمت ہو نازل تجھ پہ ای سید
کہ تو نے بھائیوں کا ڈوبتا بیڑا سنبھالا ہے

فدائی قوم کے تجھ سے ہی کم گذرے ہونگے دنیا میں
کہ دل سوزی کا جس کی آج قوموں میں اجالا ہے

بھلائی کا تری احسان مانیں یا نہ مانیں ہم
بھلائی کرنے والوں کا ہمیشہ بول بالا ہے

کریں کیا گر نہ اپنائے زماں ہوں بدگماں تجھ سے
کہ درد دل کی کیفیت سمجھ سے ان کی بالا ہے

نمونہ کوئی ہمدردی کا دیکھا تھا نہ یاروں نے
ترے کاموں نے انکو اسلئے حیرت میں ڈالا ہے

کیا ہے کام جو تو نے نہ ڈر انجام سے اس کے
کہ نیکی کا نشاں قائم خدا خود رکھنے والا ہے

کیا گو تو نے سب کچھ پہ بہت کچھ ہے ابھی کرنا
ہے آخر قوم کی تعلیم یا منھ کا نوالا ہے

جسے احباب اک قیصر رفیع الشان سمجھے ہیں
نہ ہو تو اُس کا پشتیبان تو اک مکڑی کا جالا ہے

عزیزوں کو خدا وہ نامبارک دن نہ دکھلائے
کہ سایہ تیری ہمدردی کا ان کے سر سے اُٹھ جائے

ترے احسان ہر اک کو سدا یاد آئینگے ان کو
کرینگے ذکر ہر مجلس میں اور دہرائینگے اُن کو

تری کوشش کو بیجا تیری زندگی میں جو کہتے ہیں
نتائج اُس کے تیرے بعد خوں رلوائینگے اُن کو

تری رایوں کو جو منسوب کرتے ہیں ضلالت سے
زمانے کے حوائج جلد تر شرمائینگے اُن کو

ترے کاموں کو خود کامی پہ جو محمول کرتے ہیں
دل ان کے کوئی دن جاتا ہے خود جھٹلائینگے ان کو

انھوں نے خود غرض شکلیں کبھی دیکھی نہیں شاید
وہ جب آئینہ دیکھینگے تو ہم دکھلائینگے اُن کو

بہت مشکل ہے جانی سرد مہری قوم کے دل سے
مگر تیرے ہی لگائے داغ کچھ گرمائینگے اُن کو

اگر ہیں بھی کہیں کچھ دبی چنگاریاں باقی
لگائینگے وہ گھر میں آگ جب سلگائینگے اُن کو

بہت ہیں مدعی ہمدردی اسلام کے لیکن
ٹٹولینگے انھیں جب تو برا خالی پائینگے اُن کو

کبھی تسبیح کو اُن کی ملی فرصت وظائف سے
تو تیری خدمتیں اسلام کی گنوائینگے اُن کو

ملا گو قوم سے اب تک نہیں اصلا صلا تجھکو
نہیں امید پر کچھ تجھ سے کہ ہو اسکا گلا تجھکو

جنھوں نے قوم کی اصلاح کا بیڑا اُٹھایا ہے
اُنھوں نے پھل سدا محنت کا کم دُنیا میں پایا ہے

یہ تیری خوش نصیبی تھی کہ ثمرہ تیری کوشش کا
خدا نے زندگانی میں تری تجھکو دکھایا ہے

بہت جھکڑ چلے اور آئیں اکثر آندھیاں لیکن
دیا ہو ساتھ بھی تیرا ہزاروں نے دل و جاں سے
اِدھر تو بمبئی تک [illegible] تک
اودھ سے تا بہ کشمیر اور الماری تک
دکن میں تیرے یاور ہیں وہاں بھی تیرے ساتھی
خصوصاً وہ مبارک ہیں کہ جنہوں نے ہند میں اوّل
خدا کی ہیں پنجاب و پنجاب والوں پر
جنھوں نے قوم کا ہمدرد دل سے تجھکو مانا ہے

رہا گلزار ہوکر باغ جو تو نے لگایا ہے
اگر دو چار نے کچھ کہکے تیرا دل دکھایا ہے
مددگار اپنا جس گوشہ میں ڈھونڈا تو نے۔ پایا ہے
دلوں میں تو نے سکّہ شہر شہر اپنا بٹھایا ہے
ترا مدّاح ملکوں میں ہر اک اپنا پرایا ہے
رکابِ اسلام کی تھامی و اُن پر سر جھکایا ہے
جنھوں نے ہر سفر میں تجھکو آنکھوں پر بٹھایا ہے
تری نصرت میں اخلاصِ مسلمانی دکھایا ہے

نہ ہو افسردہ دل اور قوم پر فیض اپنا رکھ جاری
کہ اک ہمت سے تیری بندھ رہی ہیں ہمتیں ساری

ہوئے ہیں سرد دل یارو کہ تو ڈھارس بندھاتا رہ
نیا پیدا ہوا بچھڑا نہ کر تو اس کی کچھ پروا
امیدیں ہیں بہت وابستہ تیری زندگانی سے
ابھی سیراب کم ہیں اور بہت ہیں تشنہ لب باقی
نہیں تعلیم نے پھلوں کی کم احیاے موتی سے
زبانیں تو نے گر اپنے پہ کھلوائی ہیں حق کہکر
فرو ہوتی نہیں آتش سے جب آتش بھڑکتی ہے

امیدیں اُنکی استقلال سے اپنے بڑھاتا رہ
لگایا ہے چمن جو تو نے پودا اُس میں لگاتا رہ
دعائیں قوم کی لے لیکے عمر اپنی بڑھاتا رہ
سبیل آخر لگائی ہے تو پیاسوں کو پلاتا رہ
جہانتک تجھمیں دم باقی ہے مُردوں کو جلاتا رہ
تو خاموشی سے اپنی نکتہ چینوں کو تھکاتا رہ
ہر اک شعلہ کو آبِ بُردباری سے بجھاتا رہ

کیا ہی زندہ قوموں کو سدا قوموں کے کشتوں نے
شدائد میں تحمل خاص میراث انبیا کی ہے

گھمر کر فتح کرتی ہے تو جو ٹیس دل پہ کھاتا رہ
جو تو آل محمد ہے تو یہ صدمے اٹھاتا رہ

کوئی دن اور اس دار المحن میں رنج سہنا ہے
پھر اس کے بعد تجھکو زندہ جاوید رہنا ہے

عزیزو حق کی رحمت ہے یہ پیر ناتواں ہم میں
ہزاروں ہم میں ہونگے بیچلر اور ماسٹر پیدا
ہو ہم میں قوم کا ہمدرد یہ قدرت خدا کی ہے
ہمارے تفرقوں نے کر دیے تحلیل سب اجزا
ابھی اٹھ کر فلاح قوم پر کوئی کمر باندھے
ابھی سن لیں کسی قومی جماعت میں شکر بجی
بن آئے قوم کی خدمت تو کیونکر ہم سے بن آئے
اگر تو چھا اس پہیلی کی نہ سید ہمکو بتلاتا
نہ کی سید کے منصوبوں کی گر تائید یاروں نے

پھر ایسا پیر ہم میں نہ کوئی نوجواں ہم میں
مگر اے قوم پھر یہ صورتیں پیدا کہاں ہم میں
نہیں رشتہ کوئی مدت سے باقی درمیاں ہم میں
نہ پاؤگے کہیں ترکیب قومی کا نشاں ہم میں
ہزاروں اس سے ہو جائینگے پیدا بدگماں ہم میں
ہزاروں ہونگے یہ بدفال سنکر شادماں ہم میں
نہ دور اندیشیاں ہم میں نہ خیر اندیشیاں ہم میں
تو اسلامی اخوت تھی فقط اک چیستاں ہم میں
تو پھر سر گر سنبھلنے کی نہیں تاب و تواں ہم میں

بہت مشکل سے ہاتھ آیا ہے منزل کا نشاں یارو
پہنچنے دو سلامت تا بمنزل کارواں یارو

رہو جیسے رہے ہو قوم کے غم خوار و یار اب تک
جماعت کو تمہاری دیکھتے ہیں لوگ حیرت سے

کرو دھندلا نہ اس رستے کو جو ہے پر غبار اب تک
تمہارے دم سے ہے کچھ قوم کا باقی وقار اب تک

تمھاری کوشش او ہمت کا چرچا ہے زمانے میں
تمھاری خدمتوں کی قوم ہے منت گذار اب تک

جو کام انجام کرنا ہے تو سید کے رہو حامی
کہ قومی کامیابی کا اسی پر ہے مدار اب تک

وگرنہ دوستو سن لو کہ ہے آپس کی ان بن کا
وہی انجام جو ہوتا رہا ہے آشکار اب تک

پڑے ہیں جابجا بکھرے ہوئے اطراف عالم میں
کھنڈر لاکھوں ہمارے تفرقے کے یادگار اب تک

ہزاروں باغ ویراں ہوگئے آپس کے جھگڑوں میں
پلٹ کر پھر نہیں آئی جہاں فصل بہار اب تک

سفینے غرق لاکھوں کر دیے باد مخالف نے
زمانے کو نہیں معلوم خود جنکا شمار اب تک

نہ سمجھو یہ کہ فارغ ہوگئے ہم خاک میں ملکر
ہماری گھات میں ہے انقلاب روزگار اب تک

نظر آتا نہیں یہاں حملۂ دوراں سے بچنے کو
سوا اک درسگاہ قوم کے کوئی حصار اب تک

کرو پورا حصارِ قوم کو سر جوڑ کر یارو
ہٹا دو حملۂ دوراں کو سب جی توڑ کر یارو

یہ دار العلم سدِّ راہِ آسیبِ زماں ہوگا
اسی دار الشفا میں بخت پیر اپنا جواں ہوگا

نہیں صورت ابھرنے کی ہمارے کوئی پستی سے
اگر ہوگا اسی گھر سے بلند اپنا نشاں ہوگا

کمی نے کر دیا ہے علم کی ہم کو سبک سب سے
اسی پاسنگ سے ہوگا تو یہ پلہ گراں ہوگا

یہ بیت العلم روز افزوں ترقی کا ہے سرچشمہ
اسی چشمہ سے دیکھو گے کہ اک دریا رواں ہوگا

اگر راس آگئی آب و ہوا اس کھیت کی ہم کو
تو جو اُٹھے گا پودا اس میں سے آسماں ہوگا

یقیں ہے ٹہنیاں پھیلینگی طوبیٰ سے سوا اس کی
ہمارے واسطے دنیا میں یہ باغِ جناں ہوگا

اگر اسلام میں باقی ہے خصلت حق شناسی کی
تو ہر اک نونہال اس باغ کا خود باغباں ہوگا

کہ حق نے عالم اسباب دنیا کو بنایا ہے — تو جو نکلے گا یہاں سے کامیاب و کامراں ہوگا

بہت مدت سے ہے قحط الرجال اس قوم امت میں — اسی کھیتی سے اس میں جنبش دم کا سماں ہوگا

بنا اسلام کی کہتے ہیں یہ تعلیم ڈھا دے گی — نہ ڈھینے دیگا حق اسلام کو گر مہرباں ہوگا

کسوٹی ہے یہ دارالعلم اسلامی اخوت کی — ہم اس سے بدگماں ہونگے جو اس سے بدگماں ہوگا

کبھی یہاں آکے کچھ دیکھا بھی ہے اے نکتہ چیں یارو
برا کہنا گھروں میں بیٹھکر اچھا نہیں یارو

اگر رکھتے ہیں دل پہلو میں آکر یہ چمن دیکھیں — ریاض قوم کا فصل خزاں میں بانکپن دیکھیں

وطن کو جو سمجھتے ہیں کہ ہے ترجیح غربت پر — وہ آکر شام غربت بہتر از صبح وطن دیکھیں

ہوئے ہیں جمع یہاں جو نونہال اطراف سے آکر — بہم سب کو شریک شادی و رنج و محن دیکھیں

محبت انکی جب دیکھیں تو سمجھیں بھائی ماجائے — وطن پوچھیں تو ہے ہند و سندھ و پنجاب و دکن دیکھیں

اگر غیبت میں پوچھیں ایک کا حال ایک سے آکر — تو ہر طفل و جواں میں حفظ غیب جسم و وطن دیکھیں

تکلف سے بری ایک ایک کو دیکھیں اور بناوٹ سے — سخن میں راستی دیکھیں بیاں میں سادہ پن دیکھیں

تواضع منعموں کی دیکھیں اور غیرت غریبوں کی — ادب بچوں کا دیکھیں نوجوانوں کا چلن دیکھیں

تامل سے ابیں دیکھیں تو دیکھیں کام میں پھرتی — لڑائی فیلڈ میں دیکھیں کلاس میں تو ہنر دیکھیں

اطاعت سلطنت کی احترام اہل حکومت کا — وفاداری کی گردن میں بندھی سب کے رسن دیکھیں

زبانوں میں غلامی کی نہ بیباکی کی خو ان میں — ادب سے معتدل آزادگی انکا چلن دیکھیں

زباں سے قیصر ہندوستاں کا نام لے کوئی — تو اک دریا محبت کا دلوں میں موجزن دیکھیں

سلف پر فخر دیکھیں اور تاسف اپنی حالت پر | لگن اسلام کی اور قوم کی دل میں چبھن دیکھیں

نمازوں کی تقید دیکھیں اور روزونکی پابندی
اجازت نیک کرداری کی اور ہر کام کی بندی

کلب میں آ کے گر احباب رنگ انجمن دیکھیں
نہ دیکھی ہو جنھوں نے شفقت و طاعت کی تصویریں
تاسف کرتے ہیں جو ہند کی نا اتفاقی پر
اگر یاور ہو اخلاص سنی اور شیعی کا
نہ دیکھا ہو جنھوں نے پیار ہندو اور مسلماں میں
مسیحی ہو تو کوششیں دیکھیں مسلمانوں کے بچوں کی
مجسم دیکھنی ہو شکل مہر مادری جن کو
اگر ہو دیکھنی تقریر میں تصویر معنی کی
اگر اسکول میں جا کر دیکھیں تھیوسوفسٹ کو اگر
دم تدریس دیکھیں جگر دری کو اگر برسوں
ادب اور مشرقی تاریخ کا ہو دیکھنا مخزن
اگر بو جعفر طوسی کو زندہ دیکھنا چاہیں
سخن کوتاہ - دار العلوم پر ہو قوم کے نازاں
پھر ان کے بعد دیکھیں گر مربی اپنے بچوں کا

تو میت کے بسی صد آک مجسم یونین دیکھیں
نباب اور اُسکے شاگردونکو باہم ہمسخن دیکھیں
کلب میں ہندیوں کے ملیں وہ اور تو تین دیکھیں
بہم شیر و شکر بھیاں چاریار ذوبختن دیکھیں
وہ آ کر مسلم اور ہندو کو یک جان و دو تن دیکھیں
مسیحی کو مسلماتی قبا زیب بدن دیکھیں
وہ بچوں سے سلوک آرنلڈ و ماریسن دیکھیں
تو والش کا بوقت درس انداز سخن دیکھیں
فرائض میں تمام اوقات اُس کے مرتہن دیکھیں
نہ پیشانی پہ بل دیکھیں ابرو میں شکن دیکھیں
تو شبلی سا وحید عصر و یکتا زمن دیکھیں
تو عباس بن جعفر سا محیط علم و فن دیکھیں
جو آ کر اُس کا ایک اک در مکنوں معن و عدن دیکھیں
تو اک بچوں سے بڑھ کر زندہ دل پیر کہن دیکھیں

خوشی میں رنج میں صحبت میں ہماری دکھ سکھ میں
اُسے اپنے دیکھیں قوم کی دُھن میں مگن دیکھیں

رہیں چُپ کس طرح ہم باغباں کی مدح و تحسیں سے
جب ایسا حیرت افزا آنکھ سے اپنی چمن دیکھیں

نہ سمجھیں ہیچ کہ ہے اُس کو ہماری مدح کی پروا
اگر سیّد کا استحقاق اہلِ انجمن دیکھیں

محبِّ قوم سُنتا ہے در و دیوار سے تحسیں
جنہیں باور نہ آئے وہ محبِّ قوم بن دیکھیں

ادا سیّد کا حق تو ہم سے ہو سکتا ہے کیا حالی
مگر ہاں ہم کو اپنا فرض کرنا تھا ادا حالی

جوانمردی کا کام

مرتبہ ۱۸۷۲ء

یہ حکایت ایک انگریزی نثر سے لیگئی ہے اور اُسکو اُردو میں باضافہ بعض خیالات نظم کیا گیا ہے

تھا کسی مُلک میں اک دولتمند
حق نے تین اُسکو دیئے تھے فرزند

دور و نزدیک تھا گھر گھر چرچا
باپ بیٹوں کی جواں مردی کا

باپ ہوں جنکے مروّت والے
بیٹے پھر کیوں نہ ہوں ہمّت والے

ہو چکا عمر کا جب سرمایہ
ایک دن باپ کے جی میں آیا

گھر ہے تکرار کا یہ دولت و زر
مشترک چھوڑ مرے اس کو اگر

جلد ہو جائے کہیں یہ تقسیم
آخر اک روز ہے مرنا تسلیم

بسکہ تھا اُس کو بہت فکرِ مآل
ایک دن بیٹھ کے سب مال و منال

اک گران مایہ جواہر کے سوا | تینوں بیٹوں کو وہیں بانٹ دیا
پھر کہا اُن سے کہ اے اہلِ ہنر | باپ کی جان فدا ہو تم پر
تم میں جس سے ہو بڑا کام کوئی | یہہ جواہر ہے امانت اُس کی
باپ نے اُن سے کہا جب یہ سخن | پھر تو تینوں کو لگی اور ہی دُھن
کہ کوئی کارِ نمایاں کیجے | جس طرح ہو یہ جواہر لیجے
اُن میں بیٹا جو بڑا تھا سب سے | اس کو یہ فکر سوا تھا سب سے
ایک دن اُس کا کوئی واقفِ کار | کہ نہ تھا جس سے کچھ اخلاص نہ پیار
رکھ گیا آ کے جواں مرد کے پاس | ایک بھاری سی رقم بے وسواس
تھے رقم سے وہی دو نو آگاہ | نہ نوشتہ تھا کوئی اور نہ گواہ
کچھ بھی نیت میں گر آجائے خلل | تو یہ تھا عین خیانت کا محل
جب رقم اُس نے طلب کی اُس سے | وسوسے دل میں بہت سے آئے
مگر اُس شیر کی نیت نہ پھری | لی تھی جن ہاتھوں اُنھیں ہاتھوں دی
نفسِ سرکش کو کیا مات اُس نے | دی رقم اور نہ دی بات اُس نے
صاحبِ زر نے جو کچھ نذر کیا | وہ بھی اُس دل کے غنی نے نہ لیا
باپ کو آن کے دی جب یہ خبر | ہنس کے فرمایا کہ۔ اے جانِ پدر
اک بُرائی سے بچے تم تو کیا | اس سے بڑھ کر بھی کوئی کام کیا
اک خیانت کے نہ کرنے پہ یہ ناز | شرم کی جا ہے تری عمر دراز

منجھلے بیٹے نے پھر اک دن یہ کہا — میں جو دریا کی طرف جا نکلا
دیکھتا کیا ہوں کہ اک طفلِ صغیر — گر کے پانی میں چلا صورتِ تیر
تھا جہاں یار نہ کوئی یاور — ماں کا پہلو تھا نہ آغوشِ پدر
آنکھ تھی جانبِ مادر نگراں — ماں کنارے پہ اُدھر تھی حیراں
گرچہ تھا کام خطرناک بڑا — پر اُسے دیکھ کے دل رہ نہ سکا
جان و تن کی نہ رہی مجھکو خبر — جا پڑا نام خدا کا لے کر
جان تو جا ہی چکی تھی اُسکی — پر مری شرم خدا نے رکھ لی
ایک دم بھر میں گیا اور آیا — لا کے بیٹے کو دیا ماں سے مِلا
باپ نے سُنکے یہ سب اُس سے کہا — کام مردوں کے یہی ہیں بیٹا
آدمیت کا کیا تم نے کام — جاؤ بس ہے یہی اس کا انعام
فخر کی جا یہ مری جاں کیا ہے؟ — نہو اتنا بھی تو انساں کیا ہے؟

پسرِ خرد کا اب سُنئے بیاں — جو کہ تھا سب سے بزرگی میں کلاں
عرض کرتا ہے بصد عجز و نیاز — باپ سے اپنے کہ اے بندہ نواز
بات گو لائق اظہار نہیں — آپ سے کہنے میں کچھ عار نہیں
شب اک روز گھٹا چھائی تھی — رات آدھی کے قریب آئی تھی

شبِ تاریک میں وہ ابرِ سیاہ — کہ جہاں کام نہ کرتی تھی نگاہ

اک پہاڑی پہ چلا جاتا تھا — خوف چھاتی پہ چڑھا آتا تھا

ساتھ تم تھے نہ کوئی بھائی تھا — میں تھا اور عالمِ تنہائی تھا

کوندی اک سمت سے بجلی ناگاہ — جس سے آگے کو کھلی راہِ نگاہ

پڑی اک غار پہ وہاں میری نظر — جسکی صورت سے برستا تھا خطر

موت کھولے ہوئے تھی مُنہ گویا — جسکے دیکھے سے جگر ہلتا تھا

دیکھتا کیا ہوں کہ اک مردِ غریب — جسکو روتے ہیں کھڑے اُسکے نصیب

جیسے رستے کا تھکا ہو کوئی — یا کہ جینے سے خفا ہو کوئی

جان و تن کا نہیں کچھ نیند میں ہوش — غار کے مُنہ پہ پڑا ہے مدہوش

اپنی ہستی کی نہیں اُس کو خبر — اور قضا کھیل رہی ہے سر پر

اجل آجائے تو ہے روک نہ تھام — ایک کروٹ میں ہے بس کام تمام

اتنے میں اور جو بجلی چمکی — شکل پھر غور سے دیکھی اُسکی

مرد نکلا وہ شناسا میرا — تھا مگر خون کا پیاسا میرا

مجھ میں اور اُسمیں عداوت گہری — ایک مدت سے چلی آتی تھی

وہاں عداوت پہ گر آؤں اپنی — اور اصالت پہ نہ جاؤں اپنی

مارنا اُس کا نہ تھا کچھ دشوار — اک اشارہ میں وہ تھا لقمۂ غار

آگیا مجھکو مگر خوفِ خدا — اور پہلو سے یہ دی۔ دل نے صدا

مرتے کو مارنا بے دردی سے — ہے بہت دور جوانمردی سے
حوصلہ کا ہے یہی وقت۔ کہ آج — ہے عدو اپنی مدد کا محتاج
جی میں یہ کہہ کے بڑھا جانب غار — کہ اسے کھینچے چل کر بیدار
وھاں سے جا۔ اسکو اُٹھا لایا میں — موت کی زد سے بچا لایا میں
مُنہ کو دامن سے مگر ڈھانک لیا — اُسکو شرمندۂ احساں نہ کیا
سُنکے۔ دی باپ نے بیٹے کو دعا — اور چھاتی سے لیا اُس کو لگا
پھر بڑے بیٹوں کو بلوا کے کہا — بولو۔ اب کس سے ہوا کام بڑا؟
داستان جب یہ سُنی دونوں نے — باپ سے عرض یہ کی۔ دونوں نے
خانہ زادوں کی ہو تقصیر معاف — پوچھئے ہم سے تو ہے یہ انصاف
جس جواہر کے طلبگار تھے ہم — اُس کے لائق تھے نہ حقدار تھے ہم
اور کو اُس کی ہوس ناحق ہے — حق یہی ہے کہ۔ وہ اِس کا حق ہے
باپ یہ سُنکے ہوا شاد بہت — اُنکے انصاف کی دی داد بہت
چھوٹے بیٹے کو بلا کر پھر پاس — پہلے خالق کا کیا شکر و سپاس
پھر جواہر اُسے دیکر یہ کہا — لو۔ یہ ہو تم کو مبارک بیٹا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً و مصلیاً

ترکیب بند موسوم بہ زمزمۂ قیصری

مرتبہ سنہ ۱۸۷۸ء

یہ نظم ایک انگریزی پوئم کے تین حصوں میں سے اول حصہ کا منظوم ترجمہ ہے۔ شاید مسٹر الیسٹوک اسکے مصنف ہیں جنھوں نے کرنل ڈیوس کے توسط سے جبکہ وہ دلی میں کمشنر تھے اُس تمام پوئم کو دلی کے چند لائق آدمیوں سے فارسی میں نظم کراکر ولایت میں بڑے اہتمام سے چھپوایا ہے۔ فارسی نظم لکھے جانے سے پہلے صاحب کمشنر نے یہ پوئم اردو میں ترجمہ کراکر نظم کرنے کے لئے میرے پاس بھیجی تھی۔ میں اُنکے حکم سے صرف پہلے حصہ کو اُردو میں نظم کرنے پایا تھا کہ مصنف نے فارسی میں نظم کرانا چاہا۔ میں نے بسبب علالت کے فارسی نظم سر انجام کرنے سے اپنی معذوری بیان کی اور یہ کام اوروں کے سپرد ہو گیا۔ اس نظم کے تین حصے ہیں۔ پہلے حصہ میں ہندوستان اور مسلمان بادشاہوں اور انگریزی سلطنت کا ذکر ہے دوسرے اور تیسرے حصہ میں تمام ہندوستانی رئیسوں کا جو دربار قیصری میں شریک ہوئے تھے عموماً اور حضور نظام کا خصوصاً تذکرہ ہے۔ مصنف نے پہلے حصہ میں بعض مسلمان بادشاہوں پر نکتہ چینی بھی کی ہے ناظرین اسکو دیکھکر مجھسے خوش یا ناراض نہوں میرا صرف اتنا قصور ہے کہ میں نے اُن خیالات کو ایک ایسی زبان میں نظم کر دیا ہے جسکو میرے ہموطن عموماً سمجھ سکتے ہیں۔ اس نظم میں جہاں کہیں ضرورت نے نہایت مجبور کیا ہے اپنی طرف سے بھی کوئی بات اضافہ کر دی گئی ہے اور اکثر جگہ تمیز کے لئے اسکو بریکٹ میں محدود کر دیا گیا ہے۔ با اینہمہ ممکن ہے کہ اسکے علاوہ اور بھی کہیں کہیں کچھ اختلاف پایا جائے۔ لیکن جو لوگ انگریزی پوئٹیکل خیالات کو اُردو نظم میں بیان کرنے کی دقتوں سے بخوبی واقف ہیں اُنسے امید ہے کہ ایسی خفیف فروگذاشتوں سے چشم پوشی فرمائینگے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اے حصارِ عافیت اے کشورِ ہندوستاں
زیب دیتا ہے اگر کہئے تجھے سارا جہاں

اک طرف کھینچی ہے قدرت نے تری دیوارِ کوہ
موجزن ہے اک جانب تیرے بحرِ بیکراں

چوٹیوں پر ہے پہاڑوں کی وہ عالم برف کا
ہے سدا چھایا ہوا جس پر خموشی کا سماں

بحر میں ہوتا ہے اک شورِ قیامت آشکار
جبکہ اسمیں آکے گرتی ہیں ہزاروں ندیاں

خوف باہر کا ہے تجھکو اور نہ کچھ اندر کا فکر
(دستِ گلچیں نارسا دولتِ گل فشاں)

تو نے فارغ کر دیا ہے فتحِ ملکِ غیر سے
پھر ضرورت کیا کہ کھولیں بے سبب تیر و سناں

چل رہی ہے امن کی ہر سو ہوائے خوشگوار
(ہو نہ اب کچھ خزاں سے رخنہ اندازِ بہار)

اے مقدس آریا ورتھ آ گئی کیا تجھ پر بلا
جسنے بزمِ یکدلی کو تیرے برہم کر دیا

کوچ کر جاتا نہ تجھ سے گر وفاق اور اتحاد
کون تھا جو تیری جانب آنکھ اٹھا کر دیکھتا

تو کہاں اور اہلِ مغرب کے بھلا حملے کہاں
ہاں مگر نا اتفاقی کی ملی تجھکو سزا

گر تری اولاد میں ہوتا سلوک اور آشتی
لڑکھڑا جاتے قدم غیروں کے ہنگامِ وغا

گھاٹیوں میں آکے جب ہوتی فراہم تیری فوج
ہوش کھو دیتی سُمِ اسپانِ ہندی کی صدا

بھاگنا بھی دشمنوں کو واں سے ہو جاتا محال
دیکھتے جب ہر طرف سے آمدِ سیلِ بلا

یا اطاعت کرتے اور لڑنے سے باز آتے وہیں
یا (اگر کرتے بہت ہمت تو) مر جاتے وہیں

ہند کا حق تھا کہ ہوتی مہر و الفت کی زمیں | قوم کے ہمدرد ہوتے اس مکاں کے سب مکیں
حیف جس مٹی سے اگنا چاہئیے تھا نخل مہر | جم گیا آب و ہوا سے وہاں تخم کیں
سر بسر تختے گلِ خودرو کے جس جنگل میں تھے | (غور سے دیکھا تو) یہاں در بند بھی وہیں
(امن قائم تھا طلوعِ صبح کے آغاز میں | جتنا دن چڑھتا گیا ہوتا گیا غارت گریں)
دیوتا جو آریا کے زعم میں فانی نہ تھے | فانیوں کی طرح یہاں آ کر رہے وہ بالیقیں
جنگ و خونریزی کے خود آگر ہوئے وہ رہنما | ورنہ فتنہ کا قدم تک یہاں نہ آیا تھا کہیں

یک بیک آیا خلل امن و اماں میں ہر طرف
اک تزلزل پڑ گیا ہندوستاں میں ہر طرف

مرحبا اے خطۂ ہندوستاں (صد مرحبا) | اس خرابی پر بھی رو کے تو نے حملے بارہا
جانتا ہے اک جہاں اسکندرِ اعظم کا نام | چشمۂ حیواں پہ جسکو لے گیا بختِ رسا
تھا جہاں خوف اور سناٹا بشر کا سدِ راہ | اور بحر کے طلسموں میں خلل آیا نہ تھا
گھپ اور تاریک غاروں میں تھا آبِ زندگی | سایۂ ہیبت تھا جن پر سر بسر چھایا ہوا
گو ہوئی اسکی رسائی چشمۂ حیواں تلک | پر نہ ہرگز تیرے سارے مرحلے طے کر سکا
جی میں جو حسرت تھی وہ آخر نہ نکلی زینہار | (دل میں جو ارماں تھا وہ دل کا دل ہی میں رہا)

ل؎ یہ شعر اپنی طرف سے اسلئے بڑھایا گیا ہے تاکہ بند کے پورے سات شعر ہو جائیں ۱۲ حالی

دقتوں سے فتح کی جس طرح طیش آیا اُسے
کام ہی مشکل تھا یا مشکل نظر آیا اُسے

جس جگہ ملتا ہے ستلج سے سبک رفتار بیاس
رہ گئیں فوجیں ٹھٹک کر اسکی وہاں ساحل کے پاس
بات سنتا تھا نہ کوئی کارواں سالار کی
کارواں اور کارواں سالار کی ٹوٹی تھی آس
تھا ظفر احیران سکندر اور یہ کہتا تھا کہ بس
فتح ہند اک خواب تھا اور اسکی تھی تعبیر یاس
جب سکندر پھر گیا یوں یہاں سے بے نیل مرام
کون پھر ایسا ہے آئے یہ عزیمت جسکو راس
بعد مدت پھر وہیں آئی امنڈ کر اک گھٹا[۱]
بیاس کے میدان میں جس سے چھا گیا خوف و ہراس
جا بجا حیرت ہے کہ وہ کشور کشائے[۲] نامور
پھر گیا لیکر جہاں سے اپنی فوج بے قیاس

کر سکے کچھ وہاں نہ اس حملے کے آگے اہل ہند
چھوڑ کر ندی بھری کشتوں سے بھاگے اہل ہند

پہلے اس فتح نمایاں سے بھی اکثر جنگجو
کر گئے یہاں آن کر تیغ آزمائی میں غلو
ندیاں جو راہ میں حائل تھیں آن بار ہا
حملہ آور اترے اور پڑتے رہے رن سو بسو
وہ نشاں جنکی چمک تھی بے بقا مثل شہاب[۳]
گر نظر آئے اٹک سے اور ستلج پہ کبھو

۱ اس سے مراد انگریزی فوج کا حملہ ہے جو ۱۸۴۶ء میں پنجاب پر ہوا ۱۲

۲ یعنی سکندر اعظم ۱۲ ۳ یعنی جن کے جھنڈوں کے پھریروں کی چمک شہاب ثاقب کی مانند بے بقا اور ناپایدار تھی اور جو ہندوستان پر حملے کر کے محض ناکام یا چند روز شمالی ہند پر حکومت کر کے واپس چلے گئے ۱۲

رفتہ رفتہ سرزمینِ گنگ تک پہنچا ہراس
آکے ٹھیرا پہلے مینندڑ[1] کنارِ آبِ جو

دھار میں گنگا کی وہ ہتھیار جھکے سربسر
ہند تک یونان سے جو آئے تھے لہو

ناگہاں جہلم پہ چمکی آنکر ستھیا[2] کی آگ
اور بھڑکتی رہی آہستہ آہستہ نمو

پہنچی جب گنگا کے لگ بھگ بیاس و ستلج کو پھاند
ہوگئے یونان کے ہتھیار اُسکے آگے ماند

(گنگا کے کنارے ۱۲)

[1] مینندڑ یونان کے سوپیتر خاندان کا ایک مشہور بادشاہ ہے۔ یہ خاندان سکندر اعظم کے بعد ملکِ باختر یعنی خراسان وغیرہ میں غالباً حضرت عیسیٰ سے دو سو برس پہلے مسلط ہوگیا تھا۔ مینندڑ نے جیسا کہ بعض مورخین نے لکھا ہے ہندوستان پر ۱۷۵ء قبل مسیح سے ۱۶۱ء قبل مسیح کے درمیان حملے کئے ہیں اُسنے جنوب میں سندھ اور کچھ تک اور مشرق میں متھرا تک فتح کرلیا تھا ۱۲

[2] بحیرۂ اسود اور کوہِ قاف اور بحیرۂ کیسپین کے شمال میں جو وحشی قومیں آباد تھیں قدیم زمانہ میں اُنکو ستھیا والے کہتے تھے۔ اب وہ تمام ممالک یوروپین روس اور ایشیائی روس میں شامل ہیں۔ ستھیا والوں کے حملے حضرت مسیح سے سو برس پہلے شروع ہوگئے تھے۔ ان وحشیوں کے غول کے غول ہندوستان پر چڑھ آتے تھے اور لوٹ مار کرکے چلے جاتے تھے یہانتک کہ حضرت مسیح کی ولادت سے چند سال بعد کشمیر کے قریب اُنکی زبردست سلطنت قائم ہوگئی تھی۔ اُنکا سب سے زیادہ مشہور بادشاہ کنشکا ہے جس نے بودھ مذہب کی چوتھی کونسل منعقد کرائی۔ شمالی ایشیا میں جو بودھ مذہب کی شکل ہے وہ اسی کونسل کا نتیجہ ہے۔ ستھیا کی آگ سے غالباً اُنکی جہانسوزی و تاخت و تاراج مراد ہے جیسے کہ بایزید عثمانی کو ایلدرم کہا گیا ہے اور عرب کی فتوحات کو برق سے تشبیہ دی گئی ہے ۱۲

پھر ہوا اسلام کے اقبال کا تارا بلند — جانب ہندوستان محمودؒ نے ہانکا سمند
وہ مسلمانوں کے حق میں ابرِ رحمت تھا۔ مگر — ہندوؤں کے دل ہے اسکے ستم سے دردمند
وہ پہنچتا تھا جہاں ہوتی تھی وہاں آفت بپا — اور چلتا تھا جلو میں اسکے آسیب و گزند
غش پہ غش آتے تھے ہر ذی روح کو بیم و ہراس — سانس لیتا تھا جہاں وہ اژدہائے زورمند
روندتا تھا جسکو وہ کھیتی نہ ہوتی تھی ہری — صلح سے بجھتا نہ تھا ہوتا تھا جو شعلہ بلند
خوف تھا دل میں خدا کا اور نہ کچھ بندوں پہ رحم — قتل اور تاراج تھا اک بازیٔ سلطان پسند

جب وہ آیا تھا تو سرتاپا گلستاں تھا یہ ملک
جب گیا یہاں سے تو مثلِ دشتِ ویراں تھا یہ ملک

ل انگریزی مورخوں اور شاعروں کو جب یہ منظور ہوتا ہے کہ لوگونکو اپنی رحمدلی اور انسانی ہمدردی پر فریفتہ اور مسلمانوں پر غضبناک اور افروختہ کریں تو وہ محمود غزنوی اور تیمور وغیرہ کی سختی اور تشدد کو خوب چھڑک چھڑک کر جلوہ گر کرتے ہیں جسطرح۔ اس بند میں محمود کی بے رحمی اور ظلم کا بیان کیا گیا ہے اسی طرح ایک مداح انگریز نے اسکی شان میں کچھ اشعار لکھے ہیں جنکا اردو ترجمہ یہ ہے **نظم** ای ملکِ زرنگار (یعنی ہندوستان) قدم وہ ہے کونسا حملے سے جسکے پڑتے ہیں تیرے ارکان میں زلزلہ + وہ تیرے قصر اور ستون سائباں + معبد جو پہاڑوں کے غاروں میں ہیں نہاں ٹھاکر اور انکے مندر۔ راجا اور ان کے تخت + حملے سے اسکے آکے پڑا سب پہ وقت سخت پتلا غضب کا کونسا وہ ہولناک ہے + اے ملکِ زرنگار وہ غزنیں کی خاک ہے آتا ہے لوٹتا ہوا اس بزم گاہ میں + بکھرتے ہیں بکھرے تاج بہت اسکی راہ میں لٹتے جو اسکے ساتھ شکاری ہیں سب تمام + ان کے گلوں میں ہیں وہ جواہر نگار ہار

بے رحم فوج لائی ہے جو لوٹ مار کر + مقتول رانیوں کے گلے سے اتار کر
کرتا ہے قتل لڑکیوں کو وہ گھروں کے بیچ + اور بے گنہ پجاریوں کو مندروں کے بیچ

اگرچہ ان دونوں شاعروں نے محمود کے تشدد کو بہت مبالغہ کے ساتھ بیان کیا ہے مگر حق یہ ہے کہ مسلمانوں کے لیئے اُنکے بعض بادشاہوں کی ظالمانہ کارروائیاں گو وہ کیسی ہی تاریکی اور وحشت زمانہ میں کیگئی ہوں ہمیشہ باعث شرم و ندامت رہینگی لیکن ہم پوچھتے ہیں کہ آیا دُنیا میں کوئی ایسی قوم ہے جو اس عیب سے پاک ہو؟ یوروپ کی تاریخ سے ظاہر ہے کہ یوروپ کی شائستہ قومیں جو آج اپنے سوا تمام دُنیا کی قوموں کو وحشی یا نیم وحشی کا خطاب دیتی ہیں محمود کے زمانہ میں بلکہ اُسکے بعد بھی صدیوں تک ایشیا سے بمراتب زیادہ وحشت و خونریزی و بے رحمی میں مبتلا تھیں اور اگر انصاف سے دیکھا جائے تو بنی نوع انسان کی دو خصلتیں کبھی بدلی ہیں نہ آئندہ بدلنے کی اُمید ہے۔ ایک طمع اور خود غرضی۔ دوسرے زبردستوں کا زیردستوں کو دلنا اور پیسنا جس طرح مگرمچھ مچھلیوں اور مینڈکوں کو یا شیر اور چیتا ہرن اور نیل گاے کو نوش جان کرتا ہے اسیطرح جو انسان قوی اور زبردست ہیں وہ ضعیف اور کمزور انسانوں کے شکار کرنے سے کبھی درگذر نہیں کرتے۔ سولھویں صدی کو جسمیں اہل یوروپ امریکا میں جا کر آباد ہوئے کچھ بہت زمانہ نہیں گذرا۔ اِس صدی میں یوروپ کی بعض قوموں کے ہاتھ سے امریکا کے اصلی باشندوں پر کونسا ظلم اور کونسی بے رحمی ہے جو روا نہیں رکھی گئی میکسیکو اور پیرو جو کہ امریکا کے دو شائستہ ملک تھے وہاں کے مفتوحین پر جو وحشیانہ ظلم ہسپانیہ والوں نے کیئے انکی نظیر دنیا کی تاریخ میں مشکل سے ملیگی۔ کورٹیز جو کہ ہسپانیہ کا رہنے والا اور میکسیکو کا فاتح تھا اُسنے اور اُسکے بعد نئے وارد ہونے والے جرنیلوں نے یہ ٹھان لی تھی کہ میکسیکو کو قاطبۃً ویران کردیجے اور وہاں ہسپانیہ کی ایک نئی قوم آباد کیجے

چنانچہ جہانتک اُنسے ہوسکا وہانکے قدیم باشندوں کے نیست و نابود کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا
کورٹیز نے میکسیکو کے شاہنشاہ مونٹی زوما کو گرفتار کرکے اُلٹا لٹکا دیا اور اُسکی رعایا کو اُسکی
آنکھ کے سامنے جلایا اور قتل کرایا۔ بڑے بڑے الاؤ لگے ہوئے تھے جنمیں ہزارہا بنی آدم عام
طور پر بے تکلف جلائے جاتے تھے معصوم بچوں کے روبرو اُنکی مائیں در باپ بہزار عقوبت و
سختی آگ میں جھونکدیے جاتے تھے۔ دیہات اور جنگلوں میں ہزاروں آدمی شکاری کتوں سے
پھڑوائے جاتے تھے۔ یہ ہسپانیہ کے وہی مقدس اور بے عیب عیسائی تھے جنھوں نے کافروں
یعنی مسلمانوں کو غرناطہ سے ایک ناپاک اور گنہگار قوم ہونے کا الزام لگا کر نکالا تھا اور جن کا قول
تھا کہ ظالم اور بددین مسلمان اس لائق نہیں ہیں کہ فرشتہ صفت عیسائیوں کے ہمسائے اور ہموطن
ہوکر رہیں۔ اندازہ کیا گیا ہے کہ تقریبًا ایک ملین بنی آدم ان مقدس عیسائیوں کے ہاتھ سے طرح
طرح کی عقوبت اور سختی کے ساتھ مارے اور جلائے گئے۔ یہی حال کچھ دنوں بعد پیرو کا ہوا۔ یہ ملک
جنوبی امریکا میں بحرالکاہل کے کنارہ پر واقع ہے فرینسلو پزیرو کہ غالبًا اٹلی کا رہنے والا
ایک مجہول النسب آدمی تھا اُس کو جنوبی امریکا میں فتوحات کرنے اور وہاں سے سونا چاندی
لوٹنے کا مدت سے خیال تھا۔ اُس نے پناما یا اُسکے قریب کسی اور مقام میں ایک جماعت کو اس
بات پر آمادہ کیا کہ وہ ایک بیڑا جہاز و نکا اور کچھ سپاہ اُسکے ماتحت ملک پیرو کو جسکے تمول کی بہت شہرت
تھی روانہ کریں۔ چنانچہ اس سامان کے ساتھ وہ وہاں پہنچا اور ایک دو جھپٹ کے بعد اُس ملک پر قابض
ہوگیا پھر تو کوئی ظلم و تعدی ایسی نہ تھی جو پیرو کے اصلی باشندوں پر جائز نہ رکھی گئی ہو۔ اُن سے سونا
اور چاندی چھین چھین کر اپنے ملک کو بھیجتا تھا۔ ہزاروں بندگان خدا اُس کے ظلم و ستم سے ملک چھوڑ چھوڑ کر

پہاڑوں پر چڑھ گئے تھے جہاں وہ آخر کار فاقے کر کر کے مرجاتے تھے اور ہزاروں قتل کرائے جاتے تھے تمام
مورخوں کا اتفاق ہے کہ ایسی بے رحمی کبھی دنیا میں نہیں ہوئی۔ انگریزوں کا بیان ہے کہ آسٹریلیا کے
قدیم باشندوں پر بہت سختی نہیں کی گئی۔ اگر یہ بیان صحیح ہے تو وہاں سختی کی کچھ ضرورت بھی نہ تھی۔ وہ بیچارے
اس درجہ ناہموار۔ بے ڈول۔ اور ناشائستہ تھے کہ انگریزی فاتحوں کی صورتیں ٹیپ ٹاپ اور چمک دمک دیکھکر
شرم کے مارے زمین میں گڑے جاتے تھے اور کسی طرح ممکن نہ تھا کہ انکے پڑوس میں رہ سکیں جسقدر انگریزی
مہاجرین کی تعداد آسٹریلیا میں بڑھتی گئی وہ لوگ ملک کے اندرونی حصہ میں غائب ہوتے گئے اور رفتہ رفتہ وہیں معدوم ہوگئے
اب شاذ و نادر کہیں کہیں اندرونی پہاڑوں کے سلسلہ میں پائے جاتے ہیں۔ ٹسمانیہ کے قدیم باشندے جو ایک خوش بشرہ
مگر اَن سویلائزڈ قوم تھی یورپ والوں کی ہمسائگی کے باعث بالکل فنا ہو گئی۔ یہانتک کہ اب ایک متنفس بھی
اُنکی نسل کا باقی نہیں۔ پس آسٹریلیا کے قدیم باشندے جو انڈومان والوں سے بھی زیادہ بدقوارہ اور ناشائستہ
تھے۔ انگریز جیسی اعلیٰ درجہ کی شائستہ قوم کے پڑوس میں کیونکر ٹھہر سکتے تھے **بیت**

تو بجلوہ چوں درآئی۔ اجل از سر ترحم   ہمہ جا کند منادی پئے احتراز کردن۔

اگر فی الواقع انگریزوں نے آسٹریلیا والوں پر سختی نہیں کی تو یہ انکی عین دانائی تھی کہ انھوں نے مفت کی
بدنامی نہیں لی اور تمام برّ اعظم انکے لئے خود بخود خس و خاشاک سے پاک ہو گیا۔

بات یہ ہے کہ دنیا کے ایک بہت بڑے حصہ نے علم و ہنر میں اسقدر ترقی کی ہے اور وہ دوسرے حصہ کے
ابنائے جنس سے اسقدر آگے بڑھ گیا ہے کہ اگلے زمانہ کے فاتح اور کشورکشا جن ناجائز ذریعوں سے
مفتوحین کی دولت و ثروت اور سلطنت کے مالک ہوتے تھے اُن ذریعوں کے کام میں لانے کی اب مطلق
ضرورت نہیں ہے جسقدر مال و دولت پہلے قتل و غارت اور لوٹ کھسوٹ سے حاصل کیا جاتا تھا۔

اُس سے اضعاف مضاعف اب صنعت و تجارت کے ذریعہ سے خود بخود کھچا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جب دو ایسی گورنمنٹوں کے درمیان جنمیں سے ایک شائستہ اور دوسری ناشائستہ ہو تجارتی عہد نامہ تحریر ہو جاتا ہے تو یہ یقیناً سمجھ لیا جاتا ہے کہ شائستہ گورنمنٹ بغیر اس کے کہ ہلدی لگے یا پھٹکری۔ دوسری گورنمنٹ کے تمام ملک و دولت و منافع و محاصل کی بالکل مالک ہو گئی۔ کسی شاعر نے خوب کہا ہے ابیات

نہیں خالی ضرر سے وحشیوں کی لوٹ بھی لیکن	حذر ! اُس لوٹ سے جو لوٹ ہو علمی و اخلاقی
نہ گل چھوڑے نہ برگ و بار چھوڑے تو نے گلشن میں	یہ گلچینی ہے یا اُلٹی ہو گلچیں ! یا ہے قزاقی

شاید ان شعروں میں کچھ مبالغہ ہو لیکن اسمیں شک نہیں کہ جو نتیجہ اگلے زمانہ کے غارتگروں کی لوٹ کھسوٹ سے مترتب ہوتا تھا اُسی نتیجہ کے قریب قریب شائستہ لوٹ بھی پہنچا دیتی ہے۔ کروروں اہل صنعت و حرفت جن کی دستکاری مکینکس کا کسی طرح مقابلہ نہیں کر سکتی نان شبینہ کو محتاج ہو جاتے ہیں۔ فلاحت پیشہ لوگوں پر یہ بپتا پڑتی ہے کہ زمین کی پیداوار جس قدر کثرت کے ساتھ غیر ملکوں کو جاتی ہے اسی قدر ملک میں زیادہ کاشت کا تردد کیا جاتا ہے اور اس سبب سے روز بروز زیادہ لاگت لگانی پڑتی ہے اور محنت کا کافی معاوضہ نہیں ملتا۔ یہ پولیٹکل اکونمی کا مسلم مسئلہ ہے کہ قدرتی پیداوار کی جس قدر زیادہ مانگ ہوتی جاتی ہے اُسی قدر اُسکے بہم پہنچانے میں زیادہ لاگت اور زیادہ محنت صرف ہوتی ہے اور مصنوعی چیزوں کی جسقدر زیادہ طلب ہوتی ہے اُسیقدر انپر کم لاگت آتی ہے اور کم محنت صرف ہوتی ہے۔ ملکی تاجروں کے لئے جو کہ شائستہ ملکوں کی مصنوعی چیزوں کی تجارت کرتے ہیں اول تو اوپر والے منافع کی کچھ گنجائش ہی نہیں چھوڑتے اور اگر قدر قلیل (جیسے آٹے میں نمک) کچھ فائدہ ہوتا بھی ہے تو اپنے ملک کی نہایت

ضروری اور ناگزیر اشیا کا نرخ گران ہونے کے سبب اُنکی کمائی میں سے بہت کم پس انداز ہوتا ہے
اور جسقدر ہوتا ہے وہ غیر ملکوں کی آرایشی اور غیر ضروری چیزوں کے خریدنے میں جو باوجود
کمال نفاست اور لطافت کے نہایت ارزاں دستیاب ہوتی ہیں صرف ہو جاتا ہے۔ پس اُنکو
بھی فارغ البالی اور آسودگی کبھی نصیب نہیں ہوتی اور اگر سو دو سو میں دو چار ایسے نکل بھی
آتے ہیں جو اپنے ملک میں مرفہ الحال سمجھے جاتے ہیں اُنکا معاملہ اور لین دین اُن کروڑپتیوں
سے ہوتا ہے جن کے مقابلہ میں وہ اپنے تئیں محض مفلس اور قلاش تصور کرتے ہیں اور جنکی مانگ
کے خوف سے ہمیشہ دوالہ نکلجانے کا اندیشہ رہتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ طمع اور خود غرضی اور زبردستوں کا زیردستوں کو دلنا اور پیسنا جیسا تاریکی
اور وحشت کے زمانہ میں تھا اُسی کے قریب قریب اب بھی ہے۔ صرف اتنا فرق ہے کہ دولت
کھینچنے کے لئے پہلے جبر و تعدی کی ضرورت تھی۔ اب اُس کی کچھ ضرورت نہیں رہی۔ اَن سویلائزڈ
دنیا کی دولت سویلائزڈ دنیا کی طرف خود بخود کھچی چلی جاتی ہے۔ ایک اژدہا شیر کو بہت بُرا بھلا
کہہ رہا تھا کہ تو کیسا بے رحم ہے کہ ہمیشہ جانداروں کا خون پینے کی فکر میں رہتا ہے۔ اور شکار کی
دھن میں دُور دُور کے دھاوے کرتا ہے۔ تمام جنگلوں میں تیری دھاک ہے۔ آج اس ہرن کو
پھاڑ ڈالا۔ کل اُس بارہ سنگھے کے ٹکڑے اڑا دئے۔ ایسی خونخواری پر کمر باندھنی اچھی نہیں ہے۔
شیر نے کہا قبلہ! اگر میرے سانس میں بھی ایسی کشش ہوتی کہ دُور دُور سے جانور خود کھچتے
ہوئے میرے مُنہ میں چلے آتے اور میری حرص و آز کی آگ کو بجھا دیتے تو میں بھی ہرگز کسی بے گناہ
کے خون میں اپنے ہاتھ رنگین نہ کرتا +

مع ذلک اگر کہیں آزادی تجارت میں کوئی مزاحمت پیش آتی ہے اور بغیر جبر و تعدی کے کام نہیں چلتا تو اعلے سے اعلے درجہ کی شائستہ قوم سب کچھ کرنے کو موجود ہو جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ آزادی تجارت کی مزاحمت رفع کرنی عین انصاف ہے۔ حالانکہ آج تک پولیٹکل اکونمی نے اس بات کا تصفیہ نہیں کیا کہ فری ٹریڈ کا قاعدہ مطلقاً قرین انصاف ہے یا خاص خاص صورتوں میں خلاف انصاف بھی ہوسکتا ہے۔ انگلینڈ کا فائدہ فری ٹریڈ میں ہے اسلئے وہ اسی کو عین انصاف سمجھتا ہے۔ فرانس اور یونائٹڈ اسٹیٹس اُسکو اپنے حق میں بالفعل مضر سمجھتے ہیں۔ اسلئے وہ اسکو جائز نہیں رکھتے لیکن انصاف شرط ہے جن حکمتوں اور تدبیروں سے آج کل دُنیا کی دولت گھسیٹی جاتی ہے اُنپر بخلاف اگلے زمانہ کی جابرانہ لوٹ کھسوٹ کے کچھ اعتراض نہیں ہوسکتا۔ مشہور ہے کہ حکیم علویخاں کے زمانہ میں جو کہ محمد شاہ کا معالج اور ایک نہایت حاذق طبیب تھا ایک عطار بھی اُس کے نسخے دیکھتے دیکھتے علاج کرنے لگا تھا۔ لوگوں نے اُس کا ذکر علوی خاں کے سامنے بھی کیا اور یہ کہا کہ جس قدر مریض آپ کے علاج سے اچھے ہوتے اور مرتے ہیں اُسی کے قریب قریب اُس کے علاج سے اچھے بھی ہوتے ہیں اور مرتے بھی ہیں۔ علوی خاں نے کہا سچ ہے۔

لاکن من بقاعدہ مے کشم وآں قرم ساق بے قاعدہ مے کشد ۱۲ حالی

آخر اے دانا حکیمو کچھ سبب اسکا بتاؤ
ہے بنی آدم کو کیوں قتلِ بنی آدم کا چاؤ

جب کہ حق اور راستی ہے خاص رحمانی صفت
پھر تعجب ہے کہ جباری کا ہو اُسمیں لگاؤ

جب کہ ہے سرچشمۂ مہر و محبت ذاتِ حق
پھر نہ مانی جائے کیوں اُسکی شریعت بے دباؤ

کیا یہ زیبا ہے؟ کہ دینِ حق کو اے ابنائے جنس
زور سے منواؤ تم اور ندیاں خوں کی بہاؤ

ق

یا یہ بہتر ہے کہ سچی دوستی اور پیار سے
اور اِن باتوں سے اُنہیں جلوہ اُلفت کا دکھاؤ

دل کرو اہلِ جہاں کے پہلے تسخیر اور پھر
حکم پھیلاؤ خدا کے اور یقیں اُنپر دلاؤ

راہِ حق کا خار و خس سے پاک ہونا چاہیئے
گلشنِ دیں بے خس و خاشاک ہونا چاہیئے

خار ہی خار آتے ہیں بہت سے لیکن یہاں نظر
خون ہے اُستاد[له] اور شاگرد دونو کا ہدر

راستی اور امن کی دیتے ہیں جو تعلیم یہاں
راحت اور آرام کو کھوتے ہیں اپنے سر بسر

اور لینی چاہتے ہیں اس طرح تعلیم جو
وہ زمانہ کے ستم لیتے ہیں اپنی جان پر

بات حیرت خیز ہے پر شک نہیں اسمیں ذرا
نخلِ شادی آنسوؤں کی نم سے لاتا ہے ثمر

دم بدم سیراب اگر خونِ شہیداں سے نہو
رہ نہیں سکتا ہرا دنیا کی راحت کا شجر

بے شہادت مل نہیں سکتی حیاتِ سرمدی
موت ہے در زندگی کا اور الم بابِ ظفر

غیر کے زخموں پہ ہرگز رحم ہم کھاتے نہیں
آپ جب تک زخمِ کاری کا مزا پاتے نہیں

[له] اُستاد اور شاگرد کی شرح نیچے کے دو شعروں میں کی گئی ہے ۱۲

ای جلال الدین ہو تو ہی وہ شاہِ نامدار
صلح کل جسکی زمانہ میں رہیگی یادگار

بسکہ آزادی بنی نوعِ بشر کو تو نے دی
رائے پر ہر شخص کی ٹھیرا عقیدے کا مدار

فہم سے بندونکے بالاتر تھے جو اسرار دیں
بحث کرنے کا ملا بندونکو انمیں اختیار

حوصلہ نکلا ترا شاہانِ پیشیں سے وسیع
تجھسے القاب شہنشاہی نے پایا اعتبار

پر تری اولاد نے کی پیروی تیری نہ حیف
ہوگیا انکا تعصب خوف گلے کا اُن کے ہار

ثمرہ آخر ملگیا اُنکے تعصب کا انھیں
کر گیا رحلت جہانسے جلد اُنکا اقتدار

خار و خس کے ڈھیر ہیں کھنڈر رہگئیں اُن آج وہاں
دولت روے زمیں کل جلوہ آرا تھی جہاں

خیر اُنکے ذکر سے اب کیجیے قطع نظر
خوبیاں تھیں عہد میں اُنکے نہ لیکن اسقدر

قطعہ

اس رحمت اتفاق اور برکتیں انصاف کی
ملک افزایش سے ہو جنکی بدولت بہرہ ور

اور رعیت کی اطاعت جو نہ مجبوری سے ہو
بلکہ جس سے رغبت اور اخلاص ہو خود جلوہ گر

نعمتیں ہندوستاں کو یہ ہوئیں اُسدم نصیب
چھا رہی تھی جبکہ مایوسی لوں پر سر بسر

اس رحمت کا تصور تک نہ آتا تھا کبھی
جاے حق ناحق کا سکہ چل رہا تھا بے خطر

دیکھکر آخر بدی کا دور دورہ نیکیاں
ہو چکی تھیں ہی دنیا سے رخصت آہ ٹھنڈی کھینچکر

اُس اندھیرے میں اُجالا ناگہاں پیدا ہوا
چشمۂ حیوان کا ظلمت میں نشاں پیدا ہوا

کیا مرہٹے کیا مغل سادات کیا افغان کیا
عہد میں جنکے رہی یہاں بارش تیر بلا

علم و فن جرأت نکوئی مٹ گئیں جب یہاں — دمبدم طوفاں بدی اور عیب کا بڑھتا رہا
یاس سے حالت عجب اک ہند پر طاری ہوئی — بحرِ بے پایاں ہیں گویا سخت طوفاں تھا بپا
ناخداؤں کے بجا تھے اور نہ ملاحوں کے ہوش — اور جہازِ عافیت تدبیر کے بس کا نہ تھا
بے طرح چھایا ہوا تھا ابرِ ظلمت چار سو — کوکبِ رہبر کا ڈھونڈے سے نہ ملتا تھا پتا
کوندنا بجلی کا تھا گویا کہ جگنو کی چمک — اک جھلک آئی نظر اور پھر اندھیرا چھا گیا

جبکہ بزدل تھے وہ غش کھا کھا کے گرتے تھے وہاں
اور جی چھوڑے ہوئے تھا ہر جری اور سوراں

ڈوبنے کے جب نظر آنے لگے آثار سے — تب نجات آئی یہاں ساتوں سمندر پار سے
آ کے انگلستان نے طوفاں کو للکارا کہ بس — بازرہ اہی فتنہ اپنی گرمیٔ رفتار سے
مدتوں کی سختیوں سے ملک چھوٹا یک قلم — ہند کو اپنوں[له] نے دی آکر نجات اغیار سے
اہلِ ہند اور اہلِ مغرب اصل میں سب ایک تھے — کچھ دنوں بچھڑے رہے پر گردشِ ادوار سے
گو رہے چند جدا پر مل گئے انجام کو — کلفتیں بدلی گئیں فرقت کی آخر پیار سے
اہلِ مغرب کو نہ سمجھیں غیر ہرگز اہلِ ہند — (آئینہ اور سنگ دونو نکلے ہیں کہسار سے)

اب نہ چھوڑیگا یقیں وہموں کی لڑ کاٹے بغیر
دوستی رہتی ہے کب نفرت کی جڑ کاٹے بغیر

دہریوں کا فرقۂ لا یعقل و کوتاہ بیں ق اپنی کجرائی سے جو تقدیر کا قائل نہیں

له اپنوں سے مراد مغربی آریا یعنی انگریز اور اغیار سے مراد مسلمان ہیں ۱۲

اب ہیولےٰ کو نہ سمجھے مصدرِ کل کائنات	۲	اتفاقِ دہر پر رکھے نہ بنیادِ یقیں
ورنہ ہم پوچھینگے اُس سے کس طرح اک اتفاق	۳	یا ہیولےٰ لےگیا مغرب سے تا مشرق زمیں
کچھ جہاز اور چند سوداگر۔ تجارت کے لئے	۴	تاکہ ہوں پردیسیوں کی طرح وہاں جا کر مکیں
اور پھر اُس کشورِ آباد پر قابض ہوں وہ	۵	اک مدت تک رہا مغلوں کے جو زیر نگیں

کیا یہ سب کچھ اتفاقاً ہو گیا اے اہلِ رائے؟
یا مشیت نے تماشے اپنی قدرت کے دکھائے

ایسے ہذیانات بیجا سے یہ بہتر ہے کہ ہم	مان لیں سُر[1] اور اسُر کی داستاں بیش و کم
گو اک افسانہ ہے لیکن دہریوں کے قول سے	اُسمیں کچھ باتیں زیادہ دلنشیں پاتے ہیں ہم
اہلِ انگلستان کا آنا سمندر پار سے	ہے سمندر کا بلونا فی المثل اے محترم
زندگی جو اُس سے اہلِ ہند کو حاصل ہوئی	ہے وہ امرت جو کہ نکلا ہے سمندر سے بہم
اب ہا وہ زہر جس سے حلق شیو کا جل گیا	یہ وہی حق ہے کہ جو ہیں واسطے باطل کے سم
جس سے ہو گی محو اگلے دیوتاؤں کی نمود	اور ہونگے ہاتفانِ غیب گویا یکقلم

جو مٹائے جائیگا باطل کی ظلمت کے نشاں
صبحِ صادق کی نہ ہو گی روشنی جب تک عیاں

[1] سُر دیوتا کو اور اسُر راکشس کو کہتے ہیں۔ مہابھارت میں لکھا ہے کہ اگلے زمانہ میں ایک بار دیوتاؤں اور راکشسوں کی لڑائی ہوئی تھی جس میں دیوتا فتحیاب ہوئے اور راکشس ہارے۔ راکشسوں کو یہ خیال ہوا کہ ہم باوجودیکہ دیوتاؤں سے قوی اور زبردست ہیں پھر کیوں انہوں نے

مغلوب ہو گئے ۔ آخر یہ معلوم ہوا کہ ان کے پاس علم یعنے منتروں کی طاقت ہے ۔ راکشسوں
نے اُن کے منتر اور کتابیں چرا لیں اور ایک راکشس سنکھاسُر نام اُن سب کو لے کر
سمندر میں غائب ہو گیا ۔ ایشر نے جو یہ حال دیکھا خود مچھلی کا روپ بھر سنکھاسر کو سمندر میں
جا کر ہلاک کر دیا اور دیوتاؤں کے سارے منتر اور پستکیں صاف نکال لائے ۔ ایشر جی کی زبانی
یہ بھی معلوم ہوا کہ سمندر میں اور بھی بہت سے رتن یعنی مفید اور نایاب چیزیں ہیں اُن کو نکالنا چاہیے
اُنھوں نے کہا کہ میں کچھوا بنتا ہوں ۔ میری پیٹھ پر رئی کی جگہہ ہمالیہ پربت کو رکھ دینا اور رسّہ کی
جگہہ باسگی (سانپ کا نام ہے) کو ہمالیہ کے گرد لپیٹ کر اُس کے دونوں سرے سُر اور اسُر
اس طرح سے پکڑیں کہ سانپ کے منہ کی طرف سے سروں کے اور دُم کی طرف سے اسُروں کے
ہاتھ میں رہے اور اسطرح سمندر کو بلو ڈالیں ۔ اُنھوں نے ایسا ہی کیا ۔ یہانتک کہ سمندر میں سے
چودہ رتن یعنی لچھمی ۔ جواہر ۔ شراب ۔ دھنتر بید ۔ چاند ۔ گؤ ۔ گھوڑا ۔ سفید ہاتھی ۔ تیر کمان
امرت اور بس وغیرہ برآمد ہوئے ۔ امرت پر سُروں اور اسُروں کے باہم تکرار ہو گئی ۔ اُنھوں
نے کہا ہم لیں ۔ اِنھوں نے کہا ہم لیں ۔ ایشر ایک حسین عورت کا روپ بھر کر اُنپر ظاہر ہوئے
دیوتا اور راکشس دونو اُس کی صورت پر فریفتہ ہو گئے ۔ اور آپس میں یہ بات قرار دی
کہ یہ عورت جس کو جو کچھ دے وہ اُس کو خوشی سے لے لے ۔ چنانچہ اُس عورت یعنی ایشر
نے ایک لچھمی تو اپنے واسطے رکھ لی اور باقی تمام رتن دونو فریق پر تقسیم کر دئے ۔ امرت
سُروں کے حصہ میں آیا تھا مگر تھوڑا سا تقسیم ہونا باقی تھا کہ ایک راکشس اُٹھا کر پی گیا ۔
دیوتاؤں میں سے ایک نے اُس کا سر اوڑا دیا ۔ لیکن بس کو کسی نے لینا قبول نہ کیا

ہند میں پہلے کبھی جو سلطنت یکسو نہ تھی	اسکو امر اتفاقی جاننا ہے ابلہی
یہ بھی کہنا غیر ممکن ہے کہ تھی اسلاف میں	تجربہ کی عقل کی تدبیر و جرأت کی کمی
ہاں مگر تقدیر پر ہے جبکہ ہر شے کا مدار	چاہیے کہنا کہ تقدیر الٰہی تھی یہی

قبول نہ کیا۔ شیو یعنی مہادیو جی نے کہا لاؤ اِس کو میں کھا جاؤں۔ وہ اُسکو کھا تو نہ سکے مگر اپنے کنٹھ یعنی حلق میں رکھ لیا جسکے سبب سے اُنکا گلا نیلا پڑ گیا ۔

شاعر اس بند میں قصۂ مذکور کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ برٹش حکومت کا ہندوستان میں قائم ہونا اِس قصہ کا مصداق ہے گویا انگریز مثل دیوتاؤں کے ہیں جو اپنے علم کی طاقت سے راکشسوں یعنے ہندوستان کے لٹیروں اور پنڈاروں اور ظالم حکمرانوں پر غالب آئے اور وہ جو انگلستان سے کئی سمندر طے کر کے ہندوستان تک پہنچے یہ گویا سمندر کا بلونا تھا اور اُنکی سلطنت سے جو زندگی یعنی امن و رفاہ و آزادی اور جان و مال کی حفاظت ہندوستان کو حاصل ہوئی یہ وہ امرت ہے جو سمندر سے برآمد ہوا۔ اور جس زہر سے کہ مہادیو جی کا حلق جل گیا یا نیلا پڑ گیا تھا اُس سے خود انگریزی سلطنت کو مثال دی ہے۔ مطلب یہ کہ جسطرح حق باطل کے واسطے زہر ہے اسی طرح یہ سلطنت قدیم سلطنتوں اور اُن کی طرز حکومت کے حق میں زہر ہلاہل کا حکم رکھتی ہے۔ اس سے اگلے دیوتاؤں یعنی قدیم بادشاہوں کی حکمرانی کے طریقے اور قاعدے سب محو ہو جائیں گے اور اُن کی تائید میں جو غیب سے آوازیں آتی تھیں وہ بند ہو جائینگی۔ اور جب تک کہ ہندوستان میں صبح صادق یعنی علم اور شائستگی کی روشنی نمودار نہ ہوگی برابر قدیم زمانہ کی تاریکیوں کو یہ سلطنت محو کرتی رہیگی ۱۲ حالی

اکبر اور شاہجہاں کی ذات میں کیا کچھ نہ تھا
وھاک نادر شاہ کی بھی کم نہ تھی شیروں سے کچھ
آج یہ صوبہ پھرا - کل ملک وہ باغی ہوا

سلطنت کی جو لیاقت چاہیے وہ اُن میں تھی
فتح اُنکی - پر نہ اپنی حد سے آگے بڑھ سکی
عہد میں سب کے یہی نقشہ یہی صورت رہی

دُور تھا وہ دن کہ سر ہوں ایک در پہ سب کے خم
ہند کی فوجیں ہوں ساری زیرِ سلطانی علم

راج پر راجہ اشوکا کے ہیں وہ لاٹھیں گواہ
ہند میں ازبسکہ لاٹھیں گڑی ہیں دُور دُور
پر نشانِ فتح جو اوّل پلاسی میں گڑا
مدّتیں گذریں کہ وہ اُترّ سے لیکر تا دکن
یورپ اور پچھم میں بھی ڈالا ہے اُسنے دُور دُور
ہمنے یہ مانا کہ پتھر پر ہیں کندہ جو حروف

جن پہ فرماں اُسکے ابتک ثبت ہیں بے اشتباہ
ہے ہویدا اُنسے اُسکی وسعتِ تمکین و جاہ
اور پھر کابل میں پہنچی چرخ تک اُسکی کلاہ
کر چکا ہے حد سے اِن لاٹھوں کی بڑھکر قطعِ راہ
سایۂ عدل و نکوئی پرتوِ امن و رفاہ
وہ رہینگے منقش اُسپر ہزاروں سال و ماہ

تا ہم ہو وکٹوریا کا اُن سے بڑھ کر یادگار
نقش ہر اک صفحۂ دل پر ہے جسکا استوار

مشرقی تاج آجتک تھا ہبتِ ذو المنن
قبضۂ تقدیر میں ابتک رہا محفوظ وہ
ہاں مگر اسے فخرِ شاہانِ جہاں - وکٹوریا
گر کہے کوئی کہ اوروں نے نہ کیوں پایا یہ تاج

اک امانت جس سے محرم تھا نہ فرقِ مرد و زن
مر گئے اُسکی تمنا میں سلاطینِ زمن
تھی ترے فرقِ مبارک سے لگی اُسکی لگن
اُس سے کہدو لائقِ حلوا نہیں ہے ہر دہن

گو بہت دنیا میں شاہ و شاہ بانو ہیں مگر
بانوے برطانیہ کا سب سے بالا ہے چلن

ماں کسی اولاد کو ایسی نہیں ہوتی نصیب
اور نہ ماں کو ایسی بیٹی اور نہ دولہا کو دلہن

نیک طینت پاکدل ایسے بشر ہوتے نہیں
رنج سہنے کے لئے ایسے جگر ہوتے نہیں

ق وہ جزیرہ جو کہ روئے بحر پر ہے مثل خال
دھوپ کا اور روشنی کا جسکی سرحد میں ہے کال

۲ جس سے آگے بڑھ کے ہیں آثار قدرت ناپدید
کچھ نہیں آتا نظر جز ذات رب ذوالجلال

۳ یعنی انگلستان ہی جسکی حقیقت اس قدر
شاید اسکے باب میں کوئی یہ کر بیٹھے سوال

۴ کیا ضرورت ہے کہ وہ مختار اور قابض رہے
سرزمین ہند پر ہے جسکی وسعت کا یہ حال

۵ اس سے کہدو خون بہے اولاد کا اسکی جہاں
آب باراں کی طرح اور بحر و بر ہو جائیں لال

۶ جسکے لینے اور بچانیکے لئے لاکھوں شجاع
جنگ میں گھوڑونکی ٹاپوں سے ہوئے ہوں پائمال

مفت اسکے ہاتھوں سے کھو دینا روا ہو کسطرح
خوں بہا ان سورماؤں کا ادا ہو کس طرح

اور سب سے جادو کیا عظمت کی کچھ قیمت نہیں
یا فتوحات نمایاں لائق رفعت نہیں

پے بہ پے فتح و ظفر کی قیمتی زنجیر کیا
دوش پر اک قوم کے پیرایۂ عزت نہیں

واسطے اولاد کے میراث جسکو چھوڑ جائیں
اسقدر بھی دولت عزت میں کیا برکت نہیں

سمجھے اس دولت کو جو ناچیز اسکی سوچ کو
جسم خاکی سے جو سچ پوچھو تو کچھ نسبت نہیں

بحث کرنی اس سے لاحاصل ہے سمجھا دو اسے
تجھکو انگلستان کی شہرت سے کچھ نسبت نہیں

ناحق ایسے شخص کے گھٹنے کا تم مانو برا　　جسکی فطرت میں کم حیوانوں سے کم خست نہیں

فرومائگی ۱۲

تنگ ذلّت ہو نہ کچھ پرواے عزّت ہے جسے

ہر مذلّت اور پستی پر قناعت ہے جسے

جرأتیں اسپارٹا سے یہ نہ ہوتیں آشکار　　گر بزرگوں کی ہمّتیں واں نہ ہوتیں یادگار

جب بڑے ونکے اپنے ساکے یاد آتے تھے انھیں　　آبرو پر جان و تن بڑھ بڑھ کے کرتے تھے نثار

سورماں تھرموپلی کا نام سن پاتے ہیں جب　　جوش میں آتے ہیں کیا کیا اُنکے دل بے اختیار

آئے ہیں اس معرکہ میں کام جو شیر جری　　نسل میں اُنکی وہی عزت رہیگی برقرار

جو کہ دہلی یا اسائی میں ہوے ہیں فتحیاب　　ق　　ہموطن بھائی ہوں اُنکے یا عزیز و رشتہ دار

جی چرائینگے نہ ہرگز جان دینے سے کبھی　　۲　　فی المثل گردش گُنی طاقت سے بھی ہو نگے دوچار

تاکہ فتح دہلی و فتح اسائی کا شرف

قوم میں باقی رہے گو ہوں جانیں سو تلف

یاد ہوگا سب کو وہ حق کا عتاب اولیں　　جسنے ڈالی تھی بشر کی ذات میں بنیاد کیں

تفرقہ نے توڑ کر پھینکا تھا سب کو دور دور　　تھی پڑی جسوقت بن بوئی کھیتی ساری زمیں

کون ہوگا جسکے دل میں یہ تمنا ہو کہ پھر　　ہو وہی پہلا عتاب انسان پر نازل کہیں

قومیں آپسمیں بہت رکھتی ہیں جب میل جول　　اُنکی عقلیں ہوتی جاتی ہیں زیادہ دوربیں

ایک حاکم کی رعیت دوست ہوتی ہے سدا　　گر نہو تو ایک دن ہوجائیگی وہ بالیقیں

قوت اور امن خوشی ہیں ثمرہ باہم اتفاق　　ثمرۂ نااتفاقی جز ہزیمت کچھ نہیں

نوعِ انسان میں بدی جو کہ پھیلا تھا نفاق
کرتا جاتا ہے زمانہ اُسمیں پیدا اتفاق

ہے زبردستوں کا یارو بول بالا آجکل
اک ذراسی ٹھیس میں ہوتا ہے کام اُسکا تمام
دے۔ گر انگلستان کا ساری رعیت ملکے ساتھ
ورنہ وہ ملت کہ جو دو بر اعظم پر ہے آج
کیا تعجب ہے کہ اُس کا سایۂ دور و دراز
سامنے اُس قوم کے انگلینڈ کی ہے وہ مثال

پودنے کی اصل کیا۔ دیو دکھا ہو جسکا عمل
دیو کی جنبش ہے اُسکے حق میں پیغامِ اجل
تنگ ہو جائے عدو پر عرصۂ جنگ و جدل
سایہ افگن صورتِ مثلِ تناور فی المثل
رفتہ رفتہ جائے باہر اپنی سرحد سے نکل
جیسے اک بار اشتیا آجائے پیشِ دیل

وقت پر سب ملکے گر اُس کا نہ دینگے ساتھ یہاں
اک طرف ہو جائے گا پلّہ ترازو کا گراں

نوعِ انساں کو ملی ہے جبکہ عقلِ ناتمام
بات جو کل ہو چکی اُسکی بھی حسرت ہے عبث
جب کہ اک ہموار رستے پر چلے جاتے ہیں ہم
کچھ دنوں سے چڑھ رہے ہیں ہم بلندی کی طرف
آن پہنچے جب بلندی پر تو لازم ہے کہ اب
جب بلندی سے پرے دیکھیں جھکا کے پستی کی طرف

پھر حماقت ہے کہ کیجے آج۔ کل کا اہتمام
رہتے ہیں آج اسلئے ہر حال میں ہم شاد کام
دائیں بائیں کے بلند و پست سے کیا ہمکو کام
کر چکے ہیں قطع۔ تھے یہاں پر خطر جتنے مقام
خوف کا ہرگز رہے باقی نہ دل میں اپنے نام
شکرِ حق لائیں بجا اور بخت کو بھیجیں سلام

۱؎ یہ روس کی طرف اشارہ ہے انگلینڈ کو پودنے سے اور روس کو دیو سے تشبیہ دی ہے ۱۲

جو خوشی دی ہے خدا نے اُس سے جی ٹھنڈا کریں
یادِ غمہاے گذشتہ سے نہ دل میلا کریں

راگنی اب وقت کی ہم چھیڑتے ہیں برملا
جس سے ظاہر ہو کہ حالت ہند کی ہے آج کیا
اتفاق اور دوستی نے کر دیا ہے سب کو ایک
اور آزادی[۱] نے کر رکھا ہے ہر اک کو جدا
مملکت فوجوں سے اور قلعوں سے ہے معمور سب
پایۂ نظم و نسق پہنچا ہے تا فوق السما
سر پہ دو تاجِ ہمایوں ہند کے رکھے گئے
واجبی حق الغرض مدت کے بعد اُس کو ملا
برخلاف اُس[۲] ملک کے جو ڈھک رہا ہے برف سے
ہر طرف ہے بن ہی بن اور قحط ہے جاندار کا
بھیڑیوں کے غول پھرتے ہیں منہ چیر کے
تاکہ جو ملجائے وہاں آوارۂ دشتِ بلا

کر کے چھوڑیں اُسکو اسباب بیکس و بیخانماں =
حشر تک پیارے رہیں فرقت میں اُسکی نوحہ خواں

بارے ایسی ہند کی حالت ہے نزار و نزار
ہے موافق اُسکی وسعت کے رعیت کا شمار
فرض کیجے کُل بنی آدم کے چھ حصے اگر
ایک حصہ اُسمیں اہلِ ہند پائیں گے قرار
ہے یقیں مقدار اُسکی اس سے بھی بڑھ جائے کچھ
کیونکہ فتنہ کو نہیں مدت سے ملتا اُسمیں بار
زندگی کی ریت اب ٹھیر گئی شیشے میں سوا
پیشتر جسکے نکلنے کا بندھا رہتا تھا تار

[۱] یعنی سب کو رائے کی آزادی حاصل ہے۔ ہر شخص ایک دوسرے کے اور خود گورنمنٹ کے خلاف رائے دینے کا مجاز ہے گویا آزادی کی حیثیت سے سب جدا جدا ہیں اور اتفاق کی حیثیت سے سب ایک ہیں ۱۲

[۲] یہ روس کے ویران اور غیر آباد ملک کی طرف اشارہ ہے ۱۲

اسقدر ہندوں کی روزی کا ہمیں کیوں فکر ہو — ہے خدا کے حکم پر سب کی معیشت کا مدار
کچھ نہیں تو قحط کا دورہ سلامت چاہیئے — بڑھنے پائیگا نہ آدم زاد کا حد سے شمار

یاد رکھہ اے منکرِ حق۔ ہے یقیں اصلِ نجات
وسوسوں سے اور کھل جاتی ہے راہِ مشکلات

ہر کرن سورج کی اور ہر بوند پانی کی ہے جہاں — لاکھو جاندار و نکے رہنے کو علحدہ اک جہان
وہ خدا جسنے بنایا اور پھر پالا اُنھیں — کیا اب تجھے اور نسل کو تیری نہ دیگا قوت و نان

لہ اس خیال سے مترشح ہوتا ہے کہ شاعر کے نزدیک غریب ہندوستانیوں کی جانیں حضرات دمن وحشرات الارض سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں۔ کاش وہ ہندوستان کی آبادی گھٹنے کے لئے یہ امید ظاہر کرتا کہ جس قدر تجارت۔ سیاحت اور علوم وفنون کی ملک میں ترقی ہوتی جائے گی اُسی قدر یہاں کے باشندے ترک وطن اختیار کرتے جائینگے اور اس طرح رفتہ رفتہ ملک کے باشندوں کی تعداد ایک مناسب مقدار پر آ ٹھیرے گی۔ اس بیان میں ایک اور بھی خلل ہے۔ اوپر کے شعر سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہندوستان کی مردم شماری زیادہ ہونے سے اس بات کا اندیشہ ہے کہ ہندوستان کی پیداوار ہندوستانیوں کی خوراک کے لئے کافی نہ ہو اور اس سبب سے بہت سے لوگ بھوکے مرنے لگیں اس اندیشہ کو وہ اس طرح رفع کرتا ہے کہ جب قحط سالیوں میں لوگ بھوکے مرتے رہیں گے تو مردم شماری بڑھنے نہ پائے گی اور ملک کی پیداوار ملک والوں کو کافی ہوگی گویا بھوک سے مرنے کا علاج بھوک ہی سے مرنا بتاتا ہے ۱۲ + ۱۲

ہند کا دریا جو چڑھتا ہی تو چڑھنے دے اسے — تو یقیں کو اپنے رکھ مضبوط بے وہم و گماں
ہے اگر غلبہ[1] کا کثرت پر رعایا کی مدار — ہند ہو سکتا ہے آدھی ایشیا پر حکمراں
کچھ بھی ہمت ہو اگر اسمیں تو پھر ممکن نہیں — آنکھ اٹھا کر دیکھ لے کوئی سوئے ہندوستاں
بلکہ خود لیجائے وہ فوج اور لشکر اپنے ساتھ — اور گاڑے جا کے حد میں غیر کی اپنا نشاں

اور اگر کچھ بھی نہ ہو تو بھی کئے جائے بسر
عزّت - آزادی - بزرگی - آبرو سے اپنے گھر

مملکت اتنی ہو جس کی اور رعیت اسقدر — ہو زمیں ساری خدا کی برکتوں سے بہرہ ور
ایسے سلطانِ بلند اقبالِ فرخ فال کو — اور پھر کیا چاہئے کچھ بھی قناعت ہو اگر
ہے کوئی وادی جہاں میں ہمسر کشمیر آج — یا کوئی گنگا کے میداں سے - زمیں زرخیز تر
شہر ہے جو مرکزِ کشمیر[2] - مانندِ طلسم — طرفہ کیفیت سے ہی لہروں میں ڈل کی جلوہ گر
دیکھتے ہیں آبِ صافی میں جب اُسکا انعکاس — دوسرا وینیس کا نقشہ صاف آتا ہے نظر
باغ شالامار جو رونق فزا ہی اُسکے پاس — ہے وہ اک نیرنگِ قدرت کا تماشا سر بسر

سبزہ و نسرین و گل کی سرزمیں کہئے اُسے
صفحۂ گیتی پہ یا خلدِ بریں کہئے اُسے

[1] غلبہ کا مدار کثرت رعایا پر نہیں ہے بلکہ رعیت کے ذہن میں یہ بات نہ نشین ہونی چاہئے کہ ہمارے گورنمنٹ کے مقاصد متحد ہیں اور ہم پر ہماری ہی بہبودی کے لئے حکومت کیجاتی ہے - جبتک رعیت کو اس بات کا یقین نہو کیونکر امید کیجا سکتی ہے کہ وہ سلطنت کی جاں نثار ہوگی ۱۲ [2] مرکز کشمیر سے مراد شہر سری نگر ہے ۱۲

فی المثل تختۂ زمرد کا ہی وھاں اک سبزہ زار ق سایہ افگن اس طرح ہیں ہو بہو اُس پر چنار

جھیل کے چاروں طرف جس طرح آتے ہیں نظر ٢ زیر و بالا اور نیچے گھر قطار اندر قطار

تھی بنانے سے غرض تیری یہ ای باغِ نسیم باغِ جنت کا نہ انساں کو رہے کچھ انتظار

چوٹیاں پربت کی ہیں یوں برف میں لپٹی ہوئیں جا بجا گویا کھڑے ہیں دیو اور جن بہرہ دار

اُنکی رفعت اور بلندی کی نہیں کچھ انتہا سینۂ گردوں سے گویا اب نکل جائینگے پار

روز روشن میں جب اُنکا جھیل پر پڑتا ہی عکس نقرئی پانی کی اُسکی پھر کوئی دیکھے بہار

اور پھر جھرمٹ زنانِ مہ لقا کا ہر طرف
(سامنا آفت کا فتنہ کا بلا کا ہر طرف)

جنت ای کشمیر کوئی تجھسی دنیا میں نہیں تو نہیں دیتا بھٹکنے اپنے طالب کو کہیں

ہر چمن یہاں پھول اور پھل سے مالا مال ہے ہر چمن میں یہاں مہیا ہیں مکاں بہر مکیں

ان مکانوں اور بیابانوں سے جب آگے بڑھے پھر وہ عالم ہی جہاں غیر از خموشی کچھ نہیں

جیسے ہوتا ہی ابد پر وقت جا کر منتہی ختم ہو جاتی ہی دنیا بھی یہاں آ کر یونہیں

یعنی اقلیمِ ابد اور یہہ جہانِ خامشی طاقتِ انساں کی حد ہے پر دونو کہیں

طُرفہ سناٹا ہی اس سنسان کوہستان پر جسکی دنیا میں نہیں تمثیل کوئی دلنشیں

ہیں سراسر ناپدید آثارِ انسانی یہاں
سو نہ لپیٹے ہیں پڑے اسرارِ یزدانی یہاں

ڈھونڈیئے گر ان پہاڑوں کی بلندی کی مثال ظاہر انکا اور انگلستان کا ہی ایک حال

جیسے وادی کی زمیں سے تا فلک پہنچے ہیں یہ
وہ بھی پستی سے یونہیں پہنچا ہے تا اوجِ کمال

ہے یقیں سنتے ہی میں ہو جا کے کام انکا تمام
ہو جنہیں اسکی بلندی تک پہنچنے کا خیال

تا پتی پر آ کے انگریزوں نے جب کھولی دکاں
اک مدت تک ترقی نے نہ بدلی اپنی چال

یعنی اسدم تک کہ سکھوں سے ہوا گھر ابگاڑ
اور دریا ہو گئے پنجاب کے سب خوں سے لال

لشکر مقدونیہ کی قتلگاہوں پر ہوا
بعد مدت گرم پھر ہنگامہ جنگ و جدال

اہلِ انگلستان کو جھگڑوں سے فرصت کم ملی
امن کو فتنہ کے ہاتھوں سے فراغت کم ملی

جب بغاوت نے اٹھایا سر تو اس سے بھی سوا
آگ بھڑکی مرگ کی اور خون کا دریا بہا

عورتیں اور انکے بچے بے گنہ مارے گئے
گھر جلے اور دشمن جاں ہو گئے خود دست و پا

بھائی بندوں کی جفائیں دیکھکر غمگیں ہوئے
اہلِ انگلستان کے ساتھی تھے جو اہلِ وفا

اور ہزاروں نے یہ باندھا ملکے منصوبہ کہ بس
عزت انگلستان کی اب خاک میں بیجے ملا

صفحہ ہستی سے نام انکا مٹانیکے لئے
ہو گیا تیار جان و دل سے ہر چھوٹا بڑا

لیکن انکی گھات میں تھا شحنۂ قہر و غضب
پھنس گئے پنجہ میں اسکے یک بیک اہلِ خطا

پلہ انگلستان کا ہو کر رہا آخر گراں
گرتے گرتے تھم گیا اقبال کا اسکے نشاں

گو ہوئی دلی یہ حاصل بر ملا فتح و ظفر
پرچمِ اقبال لہرانے لگا پھر بے خطر

پر نہ اس فتح نمایاں کا ہوا اعلان کچھ
وسوسوں سے دل ہے سب اسلئے زیر و زبر

چونک چونک اُٹھنے لگے راتوں کو بدخواہ انگلی لوگ
صبح کے ہوتے ہی سب کافور ہو جاتی تھیں وہ
اگرچہ دنیا سے گویا فارغ البالی سفر
شکلیں ہیبت ناک جو راتوں کو آتی تھیں نظر
لے یہ ٹھیری کہ پائے اب وہ قیصر کا لقب
قوت بازو سے جو حاصل کیا ہے قوم نے
تابع فرماں ہیں جس فرمانروا کے بحر و بر
وہ ہمایوں تاج رکھا جائے اُسکے فرق پر

تاکہ سب جانیں کہ رخصت ہند سے فتنہ ہوا
عہد انگلستان کا جو کچھ کہ تھا پورا ہوا

اِس نوید روح پرور کی اشاعت کے لئے
ایلبرٹ اڈورڈ جسکے دو وہ اقبال ہیں
ہند میں آیا پرنس آف ویلز انگلستان سے
سو جلیل القدر سلطاں سب سے پہلے ہو چکے
جسکے دادا نے کیا زیر و زبر نظم فرانس
دی فرانسیسوں کو جسمیں زک وہ انگلستان نے
اور بتاتا ہے لقب جسکا پتے اُس جنگ کے
جس سے واقف ہیں فرنگستان کے چھوٹے بڑے
حاکم بوہیمیا کی چھین لی تھی جسمیں ڈھال
جسپہ لکھے اعتراف بندگی کے برملا
خود ولیعہد زماں نے یاری اقبال سے
حاکم بوہیمیا کے دستخط سے ثبت تھے

جمع تھے جس ذات والا میں فضائل اسقدر
وہ ہوا مامور اس کار عظیم الشان پر

وہ مبارک وقت جب لنکا لیکر تا عدن
راگ گائے جاتے تھے ہر سو مبارکباد کے
اُسکے آنے کی خوشی میں محو تھے سب مرد و زن
جوش شادی میں در و دیوار تک نغمہ زن تھے
شہر میں جنگل میں میدانیں میں سر راہ میں
جمع تھی اُسکی لئے خلق انجمن در انجمن

وہ سہانے بول شہنا کے وہ باجو نکی جھڑی	پڑ رہی ہے جنکی گویا کان میں اب تک بھرن
کھچ چکے ہیں اُس ہمایوں جشن کے نقشے بہت	میں بھی اے وکٹوریا اے فخر شاہانِ زمن
چاہتا ہوں کھینچنا خاکا اک اُس دربار کا	جسمیں کی تو نے قبائے قیصری زیبِ بدن

جسمیں تیرے نام کا ڈنکا بجایا قوم نے
جو کہا تھا مُنہ سے آخر کر دکھایا قوم نے
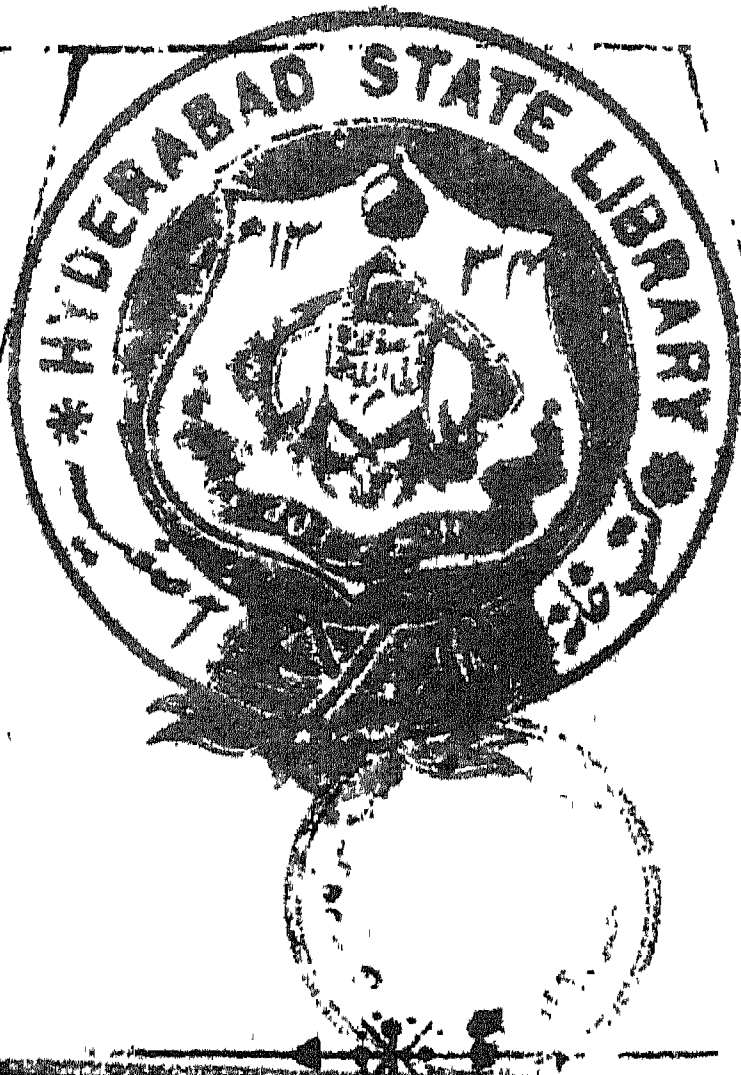
تمت

اعلان

کچھ عرصہ سے عدم فرصتی کے باعث خاکسار نے اپنی کتابوں کا سلسلہ سید عبدالعلی صاحب کے متعلق کردیا ہے جو آجکل پنڈت جی کے کوچہ کے قریب میر افضل کی گلی میں رہتے ہیں جن صاحب کو مفصلۂ ذیل کتابوں میں سے کوئی کتاب درکار ہو میر صاحب مذکور سے ویلیو پی ایبل طلب فرمائیں۔ مگر اپنا نام اور پتہ صاف تحریر کریں +

نام کتاب		قیمت	محصول
مجموعہ نظم حالی	کاغذ قسم اول	۱۲/	/۱
	" قسم دوم	۸/	/۱
مسدس حالی		۸/	/۱
حیات سعدی		عمہ	۱و
بیوہ کی مناجات		۲/	/۱
شکوہ ہند		۲/	/۱
مثنوی حقوق اولاد		۲/	/۱
دیوان و رقعات نواب مصطفےٰ خان حسرتی مرحوم		عہ۲/	/۱

(راقم الطاف حسین حالی پانی پتی)